جماعت احمدیہ امریکہ کا علمی، ادبی، تعلیمی اور تربیتی مجلّہ

لِّیُخۡرِجَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ؕ

القران الحکیم ۶۵:۱۲

النور

نبوّت - فتح ۱۳۹۱ ہش

نومبر - دسمبر ۲۰۱۲ء

"Na'ib Umara and Missionaries Naseem Mahdi and Azhar Haneef, along with National Public Affairs Department team members N. Mahmood Ahmad and Naveed Malik, Participate in Special Eid Reception with U.S. Secretary of State Hillary Clinton on September 13, 2012"

AHMADIYYA
MUSLIM COMMUNITY
United States of America

Muslims who believe in the Messiah,
Mirza Ghulam Ahmad Qadiani[as]

WAQFE NAU BOYS' ANNUAL TRIP TO JAMIA AHMADIYYA, CANADA

MARCH 29 – 31, 2013 (FRI – SUN)

Experience a full day at the Jamia along with sports competitions and sightseeing

APPLY FOR ADMISSION TO JAMIA AHMADIYYA, CANADA

Jamia Ahmadiyya Canada is seeking US applicants for admission into the 7-year Shahid degree program beginning in fall, 2013. The applicants for admission must fulfill the following prerequisites:

- The applicant must be between 17 and 20 years of age.
- The applicant must have finished high school.
- The applicant must apply for Waqfe Zindagi (life dedication) also.
- The applicant must be able to recite the Holy Quran correctly.

For detailed information, please contact info@jamiaahmadiyya.ca or call (706)-860-1629.

Hafiz Samiullah Chaudhary
National Secretary Waqfe Nau, USA

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى

النــــور

(2:258)

نومبر۔دسمبر 2012

جماعت احمدیہ امریکہ کا علمی، تعلیمی، تربیّتی اور ادبی مجلّہ

فہرس

قرآن کریم	2
احادیث مبارکہ	3
کلام امام الزمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام	4
ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام	5
خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرمودہ مورخہ 5 اکتوبر 2012ء بمقام مسجد بیت الفتوح۔ مورڈن۔ لندن	6
حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ	17
کس طرح تیرا کروں اے ذوالمنن شکر و سپاس۔ امۃ اللطیف زیروی. فیرلان. نیوجرسی	18
پروفیسر عبدالرشید غنی مرحوم کی یاد میں۔ محمد شریف خان، فلاڈلفیا	25
نظم۔ 'زیادہ ہے۔۔۔' ارشاد عرشی ملک اسلام آباد	27
توکل علی اللہ۔ عبدالنور عابد، کینیڈا	28
قرآن کریم میں مذکور ''اصحاب'' کا مختصر تعارف۔ لطف الرحمٰن محمود	30
جلسہ سالانہ قادیان (منعقدہ 25 تا 27 دسمبر 1912ء) کی مختصر رپورٹ۔ حبیب الرحمٰن زیروی	37
ڈاکٹر اعجاز قمر، باتیں ان کی یاد رہیں گی۔ ذکریا ورک۔ کینیڈا	45
ایک عظیم ہستی کی یاد میں! میرے دادا ماسٹر محمد یاسین (درویش قادیان) کی زندگی کے کچھ ایمان افروز واقعات، خولہ ہمایوں، ایٹلانٹا جارجیا	47
نظم۔ 'حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی یاد میں' سیارہ حکمت	51
امّت۔ رشید ارشد، لاس اینجلس	52
نظم۔ 'حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ کا ورود امریکہ' صادق باجوہ۔ میری لینڈ	54
51واں جلسہ سالانہ سیرالیون 3 تا 5 فروری 2012ء۔ امیر جماعت احمدیہ سیرالیون	55
گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را۔ محمد ظفر اللہ Pocatello, Idaho	57
میری والدہ۔ عبدالہادی ناصر، نیویارک	61
رسالہ ''اسماعیل'' کے آغاز پر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا خصوصی پیغام	64
حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا پیغام واقفاتِ نَو کے نام	66

وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا O

(الاحزاب: 43)

اور اس کی تسبیح صبح بھی کرو اور شام کو بھی۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ O

(المؤمن: 56)

اور اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ شام کو بھی تسبیح کر اور صبح بھی۔

{700 احکامِ خُداوندی صفحہ 66}

نگران: ڈاکٹر احسان اللہ ظفر

امیر جماعت احمدیہ، یو۔ایس۔اے

مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر نصیر احمد

مدیر: ڈاکٹر کریم اللہ زیروی

ادارتی مشیر: محمد ظفر اللہ ہنجرا

معاون: حسنیٰ مقبول احمد

لکھنے کا پتہ:

karimzirvi@yahoo.com

OR

Editor Ahmadiyya Gazette
15000 Good Hope Road
Silver Spring, MD 20905

قرآن کریم

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَالَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْکَ شَیْئًا۝

(سورۃمریم: 43)

(اورتُو اس وقت کوبھی یادکراورلوگوں کے سامنے بیان کر) جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ اے میرے باپ تو کیوں اُن (چیزوں) کی پرستش کرتا ہے جونہ سنتی ہیں نہ دیکھتی ہیں اور نہ تیری کسی تکلیف کودُور کرنے پرقادر ہیں۔

تفسیر بیان فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ :

الٰہی صفات میں سے اہم صفات اُس کا سُننا اور دیکھنا ہے۔ باقی ساری صفات اس کے تابع ہیں۔ اگر سننے اور دیکھنے کی صفت اُس میں نہ پائی جائے تو کوئی مشاہدہ والی دلیل خداتعالےٰ کی ہستی کے متعلق نہیں رہ جاتی۔ سب سے بڑی دلیل خداتعالیٰ کی ہستی کے متعلق یہی ہوتی ہے کہ ہم نے خداتعالیٰ سے دعا کی کہ خدایا ہمارا فلاں کام ہوجائے اور وہ کام ہوگیا جس سے پتہ لگ گیا کہ خداموجود ہے۔ اگر اُس کا سننا اور دیکھنا ثابت نہ ہوتو پھر بنی نوع انسان سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔ کسی غیر سے دو ہی ذریعہ سے تعلق ہوسکتا ہے یا کانوں کے ذریعہ اور یا پھر آنکھوں کے ذریعہ۔ یا تو انسان دوسرے کی آواز سن کر پتہ لگالیتا ہے کہ اُسے کوئی ضرورت درپیش ہے اور وہ اُس کی مدد کے لئے پہنچ جاتا ہے اور یا پھر آنکھوں سے دیکھ کر سمجھ لیتا ہے کہ فلاں شخص مصیبت میں گرفتار ہے اور وہ اس کی مدد کے لئے بیتاب ہوجاتا ہے۔ پس ایک تعلق رکھنے والا خدا تبھی ہوسکتا ہے جب اُس میں سننے اور دیکھنے کی صفت موجود ہو۔۔ ہمارے خدا کے سُننے کا ثبوت یہ ہے کہ ہم اُسے پکارتے ہیں تو وہ ہمیں جواب دیتا ہے اور اس کے دیکھنے کا ثبوت یہ ہے کہ ہم مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں تو وہ ہماری مدد کرتا ہے پس اس کا ہماری مدد کرنا اور ضروریات کو پورا کرنا ثبوت ہے اُس کے سمع اور بصر کا۔ لیکن بُت چونکہ کوئی ضرورت پوری نہیں کرتے اور وہ کسی تکلیف کے موقعہ پر انسان کی مدد نہیں کرتے۔ اس لئے یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ وہ سمع اور بصر نہیں رکھتے۔ ورنہ یہ کس طرح ہوسکتا تھا کہ اُن کے کانوں تک بات پہنچے۔ وہ اپنی آنکھوں سے کوئی نظارہ دیکھیں اور پھر مدد نہ کریں۔

ایک صحابی کہتے ہیں کہ ہم ایک دفعہ سفر پر گئے تو میں نے خیال کیا کہ پتھر کا بُت اُٹھانا تو مشکل ہوگا اسباب بھی زیادہ ہے۔ آٹے کا بُت بنا کر ساتھ رکھ لیتے ہیں۔ چنانچہ میں نے آٹے کا بُت بنایا اور ساتھ رکھ لیا۔ اتفاقاً راستہ میں آٹا ختم ہوگیا اور کھانے کے لئے کوئی چیز نہ رہی جب سخت بھوک لگی تو اُسی بُت کو کوٹ کر ہم نے آٹا گوندھا اور روٹی پکا کر کھالی۔ پھر مجھے خیال آیا کہ جس خدا کو مَیں کھا گیا ہوں اور وہ مجھے کچھ نقصان نہیں پہنچا سکا وہ کیسا خدا ہے اور میں مسلمان ہوگیا یہی حقیقت لَا یُغْنِیْ عَنْکَ شَیْئًا میں بیان کی گئی ہے کہ وہ کسی قسم کا تم کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔

کوئی شخص اس پر بھی اعتراض کرسکتا ہے کہ لوگوں کی کئی خواہشات اتفاقی طور پر بھی پوری ہوجاتی ہیں پھر یہ خداتعالیٰ کی ہستی کا ثبوت کس طرح ہوا۔ مثلاً بعض لوگوں کے ہاں بیٹا ہوجائے تو وہ کہتے ہیں فلاں پیر کی قبر پر سجدہ کرنے کی وجہ سے ہوا ہے یا فلاں جگہ چڑھاوا چڑھایا تھا تو اس کی وجہ سے یہ کام ہوا ہے۔ سو اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْکَ شَیْئًا میں تین باتیں بیان کی گئی ہیں اور یہ تینوں باتیں آپس میں جوڑ رکھتی ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر دلیل بنتی ہیں یعنی سمع اور بصر اور اغناء۔ جب یہ تینوں چیزیں ملتی ہیں تب دلیل مکمل ہوتی ہے اور جب یہ زنجیر مکمل ہوجائے تو اس کے بعد کوئی کام نہ اتفاقی قرار پاسکتا ہے اور نہ کسی بُت وغیرہ کی طرف منسوب ہوسکتا ہے۔ مثلاً اگر کسی کام کے متعلق دعائیں کی گئی ہیں اور پھر کوئی نتیجہ برآمد ہوا ہے تو ہم یہ نتیجہ نکالیں گے کہ یہ کام خدا نے کیا ہے۔ لیکن اگر دعائیں نہیں کی گئیں اور وہ کوئی غیر معمولی کام بھی نہیں تو وہ خداتعالےٰ کی طرف منسوب نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ دنیا میں کچھ نہ کچھ کام اتفاقی بھی ہوا کرتے ہیں۔

(تفسیر کبیر جلدپنجم صفحہ272-275)

۔۔۔۔ احادیثِ مبارکہ ۔۔۔۔

حضرت ابوہریرہؓ رسول کریم ﷺ کی یہ دُعا بیان کرتے تھے:۔

اَللّٰھُمَّ اَصۡلِحۡ لِیۡ دِیۡنِیَ الَّذِیۡ ھُوَ عِصۡمَۃُ اَمۡرِیۡ وَاَصۡلِحۡ (لِیۡ) دُنۡیَایَ الَّتِیۡ فِیۡھَا مَعَاشِیۡ ، وَاَصۡلِحۡ لِیۡ اٰخِرَتِیَ الَّتِیۡ فِیۡھَا مَعَادِیۡ، وَاجۡعَلِ الۡحَیَاۃَ زِیَادَۃً لِّیۡ فِیۡ کُلِّ خَیۡرٍ، وَاجۡعَلِ الۡمَوۡتَ رَاحَۃً لِّیۡ مِنۡ کُلِّ شَرٍّ۔

(مسلم کتاب الذکر)

اے اللہ! میرے لئے اس دین کی درستی فرما جو میرے معاملہ کی پختگی اور مضبوطی کا ذریعہ ہے۔ اور میری اس دنیا کی بھی درستی فرما جو میری معاش کا ذریعہ ہے اور میری اُس آخرت کی بھی درستی فرما جس میں میری عاقبت کے سامان ہیں اور میری زندگی کو ہر خیر کے پہلو کے لحاظ سے بڑھادے اور میری موت کو ہر شرّ سے راحت کا ذریعہ بنادے۔

٭٭٭٭٭٭
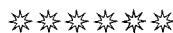
حضرت انسؓ بن مالک نے رسول کریم ﷺ سے افضل دُعا کے بارہ میں پوچھا۔ مسلسل تین روز تک حضور اس سوال کے جواب میں ایک ہی دُعا سکھاتے رہے اور فرمایا کہ دنیا و آخرت میں اگر عافیت مل جائے تو یہ ایک بڑی فلاح ہے۔ یہی دُعا رسول کریم ﷺ نے حضرت عباسؓ کو بھی سکھائی اور حضرت ابوبکرؓ کو یہ دُعا سکھاتے ہوئے فرمایا کہ ایمان لانے کے بعد عافیت سے بڑھ کر کوئی بھلائی نہیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ أَسۡئَلُکَ الۡعَفۡوَ وَالۡعَافِیَۃَ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ۔

(ابن ماجہ کتاب الدعاء)

اے اللہ! مَیں تجھ سے دنیا و آخرت میں عفو اور عافیت کا طلبگار رہوں۔

٭٭٭٭٭٭
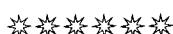
بنو ہاشم کے ایک آزاد کردہ غلام عبدالحمید اپنی والدہ (جو نبی کریم ﷺ کی ایک بیٹی کی خادمہ تھیں) سے روایت کیا کرتے تھے کہ آنحضورؐ نے اپنی بیٹی کو صبح و شام اللہ تعالیٰ کی حفظ و امان کے لئے یہ دُعا سکھائی تھی:

سُبۡحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمۡدِہٖ لَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ مَاشَاءَ اللّٰہُ کَانَ وَمَالَمۡ یَشَأۡ لَمۡ یَکُنۡ، اَعۡلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ، وَاَنَّ اللّٰہَ قَدۡ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عِلۡمًا۔

(ابوداؤد کتاب الادب)

اللہ پاک ہے اپنی تعریف کے ساتھ۔ اللہ کے سوا کسی کو کوئی قوت حاصل نہیں۔ ہوتا وہی ہے جو خدا چاہتا ہے اور جو خدا نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ مَیں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر امر پر قادر ہے اور علم کے لحاظ سے اس نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔

منظوم کلام امام الزمان

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کیا اچنبھی بات ہے کافر کی کرتا ہے مدد — وُہ خُدا جو چاہیئے تھا مومنوں کا دوستدار

اہلِ تقویٰ تھا کرم دیں بھی تمہاری آنکھ میں — جس نے ناحق ظُلم کی رہ سے کیا تھا مُجھ پہ وار

بے معاون میں نہ تھا، تھی نصرتِ حق میرے ساتھ — فتح کی دیتی تھی وحیِ حق بشارت بار بار

پر مجھے اُس نے نہ دیکھا آنکھ اُس کی بند تھی — پھر سزا پا کر لگایا سرمہء دُنبالہ دار

نام بھی کذّاب اس کا دفتروں میں رہ گیا — اب مٹا سکتا نہیں یہ نام تاروزِشمار

اب کہو کس کی ہوئی نصرت جنابِ پاک سے — کیوں تمہارا متقی پکڑا گیا ہو کر کے خوار

پھر ادھر بھی کچھ نظر کرنا خُدا کے خوف سے — کیسے میرے یار نے مجھ کو بچایا باربار

قتل کی ٹھانی شریروں نے چلائے تیرِ مکر — بن گئے شیطاں کے چیلے اور نسلِ ہو نہار

پھر لگایا ناخنوں تک زور بن کر اک گروہ — پر نہ آیا کوئی بھی منصوبہ اُن کو سازوار

ہم نگہ میں اُن کی دجّال اور بے ایماں ہوئے — آتشِ تکفیر کے اڑتے رہے پیہم شرار

اب ذرا سوچو دیانت سے کہ یہ کیا بات ہے — ہاتھ کس کا ہے کہ ردّ کرتا ہے وہ دشمن کا وار

کیوں نہیں تم سوچتے کیسے ہیں یہ پردے پڑے — دل میں اُٹھتا ہے مرے رہ رہ کے اب سَو سَو بخار

یہ اگر انساں کا ہوتا کاروبار اے ناقصاں! — ایسے کاذب کیلئے کافی تھا وُہ پروردگار

کچھ نہ تھی حاجت تمہاری نَے تمہارے مکر کی — خود مجھے نابود کرتا وہ جہاں کا شہریار

پاک و برتر ہے وہ جھوٹوں کا نہیں ہوتا نصیر — ورنہ اُٹھ جائے اماں پھر سچے ہوویں شرمسار

اس قدر نصرت کہاں ہوتی ہے اک کذّاب کی — کیا تمہیں کچھ ڈر نہیں ہے کرتے ہو بڑھ بڑھ کے وار

ہے کوئی کاذب جہاں میں لاؤ لوگو کچھ نظیر — میرے جیسی جس کی تائیدیں ہوئی ہوں باربار

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

''یوم العرفات کوعلی الصبح حضرت مسیح موعودؑ نے بذریعہ ایک خط کے حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ کو اطلاع دی کہ

''میں آج کا دن اور رات کا کسی قدر حصہ اپنے اور اپنے دوستوں کے لئے دُعا میں گزارنا چاہتا ہوں۔اس لئے وہ دوست جو یہاں موجود ہیں اپنا نام اور جائے سکونت لکھ کر میرے پاس بھیج دیں تا کہ دعا کرتے وقت مجھے یاد رہے''(اس پر تعمیل ارشاد میں ایک فہرست احباب کی ترتیب دے کر حضورؑ کی خدمت میں بھیج دی گئی۔مغرب وعشاء میں حضرت تشریف لائے جو جمع کی گئیں بعد فراغت فرمایا:

''چونکہ میں خدا تعالیٰ سے وعدہ کر چکا ہوں کہ آج کا دن اور رات کا حصہ دعاؤں میں گزاروں۔اس لئے میں جاتا ہوں تا کہ تخلّف وعدہ نہ ہو''۔
یہ فرما کر حضورؑ تشریف لے گئے اور دعا میں مشغول ہوگئے۔دوسری صبح عید کے دن مولوی عبدالکریم صاحب نے اندر جا کر حضرت اقدس سے تقریر کرنے کے لئے خصوصیت سے عرض کی۔اس پر حضورؑ نے فرمایا:''خدا نے ہی حکم دیا ہے''اور پھر فرمایا''رات الہام ہوا ہے کہ مجمع میں کچھ عربی فقرے پڑھو۔میں کوئی اور مجمع سمجھتا تھا۔شاید یہی مجمع ہو۔''
جب حضرت اقدسؑ عربی خطبہ پڑھنے کے لئے تیار ہوئے تو حضرت مولوی عبدالکریم صاحب اور حضرت مولوی نورالدین صاحب کو حکم دیا کہ وہ قریب تر ہو کر اس خطبہ کو لکھیں۔جب حضرات مولوی صاحبان تیار ہوگئے تو حضور نے یا عباد اللہ کے الفاظ سے عربی خطبہ شروع فرمایا۔۔۔اثنائے خطبہ میں حضرت اقدس نے یہ بھی فرمایا:''اب لکھ لو پھر یہ لفظ جاتے ہیں۔۔۔اس خطبہ کو کل عرفہ کے دن اور عید کی رات میں جو میں نے دعائیں کی ہیں ان کی قبولیت کے نشان کے لئے رکھا گیا تھا کہ اگر میں یہ خطبہ عربی زبان میں ارتجالاً پڑھ گیا تو وہ ساری دعائیں قبول سمجھی جائیں گی۔الحمدللہ کہ وہ ساری دُعائیں بھی خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق قبول ہوگئیں۔''۔(تعارف خطبه الهاميه روحانی خزائن جلد16)

''11 اپریل 1900ء کو عید اضحی کے دن صبح کے وقت مجھے الہام ہوا کہ آج تم عربی میں تقریر کرو تمہیں قوت دی گئی۔اور نیز یہ الہام ہوا۔ کَلَامٌ اُفْصِحَتْ مِنْ لَّدُنْ رَبٍّ کَرِیْمٍ۔یعنی اس کلام میں خدا کی طرف سے فصاحت بخشی گئی ہے۔۔۔تب میں عید کی نماز کے بعد عید کا خطبہ عربی زبان میں پڑھنے کے لئے کھڑا ہوگیا اور خدا تعالےٰ جانتا ہے کہ غیب سے مجھے ایک قوت دی گئی اور وہ فصیح تقریر عربی میں فی البدیہ میرے مُنہ سے نکل رہی تھی کہ میری طاقت سے بالکل باہر تھی اور میں نہیں خیال کرسکتا کہ ایسی تقریر جس کی ضخامت کئی جزو تک تھی ایسی فصاحت اور بلاغت کے ساتھ بغیر اس کے کہ اوّل کسی کاغذ میں قلمبند کی جائے،کوئی شخص دنیا میں بغیر خاص الہام الٰہی کے بیان کرسکے۔جس وقت یہ عربی تقریر جس کا نام خطبہ الہامیہ رکھا گیا لوگوں میں سنائی گئی اس وقت حاضرین کی تعداد شاید دوسو کے قریب ہوگی۔سبحان اللہ اُس وقت ایک غیبی چشمہ کُھل رہا تھا۔مجھے معلوم نہیں کہ میں بول رہا تھا یا میری زبان سے کوئی فرشتہ کلام کر رہا تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ اس کلام میں میرا دخل نہ تھا خود بخود بنے بنائے فقرے میرے منہ سے نکلتے جاتے تھے اور ہر ایک فقرہ میرے لیے ایک نشان تھا۔۔۔یہ ایک علمی معجزہ ہے جو خدا نے دکھلایا اور کوئی اس کی نظیر پیش نہیں کرسکتا''

(حقيقة الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحه 375-376)

خطبہ جمعہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ اور عظمت شان کے بارہ میں بعض غیر مسلموں کے اعترافات کا تذکرہ

اللہ کرے کہ دنیا اس عظیم ترین انسان کے مقام کو سمجھتے ہوئے بجائے لا تعلق رہنے یا مخالفت اور استہزاء کرنے کے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں پناہ لینے کی کوشش کرے تا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ سکے۔ دنیا کے نجات دہندہ صرف اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ہر حقیقت پسند منصف اور سچے غیر مسلم کا بھی یہی بیان ہوگا

مسلم اُمّہ کے لئے آج کل بہت دعائیں کریں۔ مسلمان سربراہوں کو اللہ تعالیٰ عقل دے کہ وہ اپنے شہریوں کے خون سے نہ کھیلیں۔ شہریوں کو عقل دے کہ غلط لیڈروں کا آلۂ کار بن کر ایک دوسرے کی گردنیں نہ ماریں۔

مسلمان حکومتوں کو عقل دے کہ وہ غیروں کا آلۂ کار بن کر ایک دوسرے پر حملہ نہ کریں۔

مکرم خواجہ ظہور احمد صاحب ابن مکرم خواجہ منظور احمد صاحب آف سرگودھا کی شہادت۔ مکرمہ صاحبزادی امتہ السمیع صاحبہ بیگم صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب اور مکرم چوہدری خالد احمد صاحب ابن مکرم چوہدری محمد شریف صاحب کی وفات۔ مرحومین کا ذکر خیر اور نماز جنازہ غائب

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرمودہ مورخہ 5/ اکتوبر 2012ء بمقام مسجد بیت الفتوح۔ مورڈن۔ لندن

أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْکَ لَهُ

وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ مٰلِکِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ اِيَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاکَ نَسْتَعِيْنُ ؕ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۵ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ○

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات پیش آمدہ'' (یعنی جو واقعات و حالات آپ کو پیش آئے) '' کی اگر معرفت ہو اور اس بات پر پوری اطلاع ہو کہ اُس وقت دنیا کی کیا حالت تھی اور آپ نے آ کر کیا کیا؟ تو انسان وجد میں آ کر اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ کہہ اُٹھتا ہے''۔ فرمایا ''مَیں سچ سچ کہتا ہوں، یہ خیالی اور فرضی بات نہیں ہے۔ قرآنِ شریف اور دنیا کی تاریخ اس امر کی پوری شہادت دیتی ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا کیا۔ ورنہ کیا بات تھی جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے مخصوصاً فرمایا گیا اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (الاحزاب:57)''۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اُس کے تمام فرشتے رسول پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی درود و سلام بھیجو نبی پر۔ فرمایا ''کسی دوسرے نبی کے لئے یہ صدا نہیں آئی۔ پوری کامیابی پوری تعریف کے ساتھ یہی ایک انسان دنیا میں آیا جو محمد کہلایا صلی اللہ علیہ وسلم''۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 421، ایڈیشن 2003ء مطبوعہ ربوہ)

فرمایا: ''اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اعمال ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی تعریف یا اوصاف کی تحدید کرنے کے لئے'' (یعنی حد لگانے کے لئے) ''کوئی لفظ خاص نہ فرمایا۔ لفظ تو مل سکتے تھے لیکن خود استعمال نہ کئے۔ یعنی آپ کے اعمال صالحہ کی تعریف تحدید سے بیرون تھی''۔ (ہر قسم کی حدوں سے بالا تھی۔) ''اس قسم کی آیت کسی اور نبی کی شان میں استعمال نہ کی۔ آپ کی روح میں وہ صدق و وفا تھا اور آپ کے اعمال خدا کی نگاہ میں اس قدر پسندیدہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے یہ حکم دیا کہ آئندہ لوگ شکرگزاری کے طور پر درود بھیجیں''۔

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 24، ایڈیشن 2003ء مطبوعہ ربوہ)

پس یہ مومن کا کام ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیم کو جب پڑھے، آپ کے اُسوۂ حسنہ کو جب دیکھے تو جہاں اس پر عمل کرنے اور اسے اپنانے کی کوشش کرے، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجے کہ اس محسنِ اعظم نے ہم پر کتنا عظیم احسان کیا ہے کہ زندگی کے ہر پہلو کو خدا تعالیٰ کی تعلیم کے مطابق عمل کر کے دکھا کر اور ہمیں اس کے مطابق عمل کرنے کا کہہ کر خدا تعالیٰ سے ملنے کے راستوں کی طرف ہماری رہنمائی کر دی۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے معیار حاصل کرنے کے راستے دکھا دیئے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا حق ادا کرنے کی ذمہ داری کا احساس مومنین میں پیدا کیا جس سے ایک مومن خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکتا ہے۔ یہ سب باتیں تقاضا کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجتے ہوئے ہم دنیا کو بھی اس تعلیم اور آپ کے اُسوہ سے آگاہ کریں۔ آپ کے حسن واحسان سے دنیا کو آگاہ کریں۔

جب بھی غیروں کے سامنے آپ کی سیرت کے پہلو آئے تو وہ لوگ جو ذرا بھی دل میں انصاف کی رمق رکھتے تھے، وہ باوجود اختلافات کے آپ کی سیرت کے حسین پہلوؤں کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکے۔ آج کل اسلام کے مخالفین آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یا آپؐ کی لائی ہوئی تعلیم پر اعتراض کرتے ہیں۔ یہ لوگ یا تو انصاف سے خالی دل لئے ہوئے ہیں یا آپ کی سیرت کے حسین پہلوؤں کو جانتے ہی نہیں اور اس کے لئے کوشش کرنی بھی نہیں چاہتے۔ پس دنیا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے آگاہی دینا بھی ہمارا کام ہے۔ اس کے لئے ہر قسم کا ذریعہ ہمیں استعمال کرنا چاہئے۔ اس کے بارے میں پہلے بھی مَیں کئی دفعہ کہہ چکا ہوں۔

بعض لوگوں کی فطرت ایسی ہوتی ہے یا دنیا میں ڈوب کر ایسے بن جاتے ہیں کہ اُن پر دنیاداروں کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ دنیادار اگر کوئی بات کہہ دے تو ماننے کو تیار ہو جاتے ہیں یا اُن پر اپنے لوگوں کی باتوں کا اثر زیادہ ہوتا ہے بجائے اس کے کہ ایک بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایک مسلمان سے سنیں۔ اگر اُن کے اپنے لوگ کہیں تو بعض دفعہ اُس پر غور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے اُن کے اپنے لوگوں کے، مشہور لوگوں کے جو کتابیں لکھنے والے ہیں، سکالرز ہیں، رائٹرز ہیں، اُن کے تاثرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بارے میں ایسے لوگوں تک پہنچانے چاہئیں۔

اس وقت مَیں ایسے ہی کچھ لوگوں کی تحریریں پیش کروں گا جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے متأثر ہو کر، آپ کی شخصیت سے متاثر ہو کر آپ کے بارے میں لکھا ہے۔ ان میں سے بعض مخالفین بھی تھے اور مخالفت میں بڑھے ہوئے تھے لیکن حقیقت لکھنے پر مجبور ہوئے۔

George Sale ایک مصنف ہیں جنہوں نے انگریزی ترجمہ قرآن (The Koran) میں To the reader کے عنوان سے ایک باب لکھا ہے۔ یہ اسلام کے بارے میں کوئی ہمارے حق میں نہیں ہیں۔ اسی طرح ایک مصنف سپین ہیمس (Spanhemius) ہے۔ وہ بھی اسلام کا کافی مخالف ہے۔ لیکن اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بعض باتیں کہی ہیں اور یہ اس کے بارہ میں لکھتا ہے کہ یہ تو نیک آدمی ہے۔ وہ نیک تو بہرحال نہیں ہے لیکن کم از کم انصاف لکھنے پر مجبور تھا۔ اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے بارہ میں جو لکھا ہے یہ اُس کے حوالے سے لکھ رہے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کامل طور پر فطری قابلیتوں سے آراستہ تھے، شکل میں نہایت خوبصورت، فہیم اور دُوررَس عقل والے۔ پسندیدہ وخوش اطوار۔ غرباء پرور، ہر ایک سے متواضع۔ دشمنوں کے مقابلہ میں صاحبِ استقلال وشجاعت۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ خدائے تعالیٰ کے نام کا نہایت ادب واحترام کرنے والے تھے۔ جھوٹی قسم کھانے والوں، زانیوں، سفّاکوں، جھوٹی تہمت لگانے والوں، فضول خرچی کرنے والوں، لالچیوں اور جھوٹی گواہی دینے والوں کے خلاف نہایت سخت تھے۔ بردباری، صدقہ وخیرات، رحم وکرم، شکرگزاری، والدین اور بزرگوں کی تعظیم کی نہایت تاکید کرنے والے اور خدا کی حمد وتعریف میں نہایت کثرت سے مشغول رہنے والے تھے''۔ (The Koran by George Sale, Gent, fifth edition, Philadelphia; J.B. Lippincott & Co 1860, page vi-vii) اور یہ سب کچھ لکھنے کے باوجود وہ بعض جگہ جاکے آپ پر الزام تراشی بھی کرتا ہے۔

پھر ایک مصنف سٹینلے لین پول (Stanley Lane-Poole) ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ: حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے آبائی شہر مکہ میں جب فاتحانہ داخل ہوئے اور اہل مکہ آپ کے جانی دشمن اور خون کے پیاسے تھے تو اُن سب کو معاف کر دیا۔ یہ ایسی فتح تھی اور ایسا پاکیزہ فاتحانہ داخلہ تھا جس کی مثال ساری تاریخ انسانیت میں نہیں ملتی۔

(The Speeches and Tablets of the Prophet Mohammad by Stanley Lane-Poole, Macmillan and Co. 1882, page xlvi-xlvii)

پھر The Outline of History کے مصنف ہیں پروفیسر ایچ جی ویلز (H.G.Wells)۔ یہ کہتے ہیں کہ ''پیغمبر اسلام کی صداقت کا یہی بڑا ثبوت ہے کہ جو آپ کو سب سے زیادہ جانتے تھے، وہی آپ پر سب سے پہلے ایمان لائے۔......

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہرگز جھوٹے مدعی نہ تھے...... اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام میں بڑی خوبیاں اور باعظمت صفات موجود ہیں...... پیغمبرِ اسلام نے ایک ایسی سوسائٹی کی بنیاد رکھی جس میں ظلم اور سفا کی کا خاتمہ کیا گیا''۔
(The Outline of History by H.G.Wells, Part II)

پھر دی لیسی اولیرے (De Lacy O'Leary) اپنی کتاب اسلام ایٹ دی کراس روڈز (Islam at the Cross-roads) میں لکھتا ہے کہ:

''تاریخ نے اس بات کو کھول کر رکھ دیا ہے کہ شدت پسند مسلمانوں کا دنیا پر فتح پالینا اور تلوار کی نوک پر مقبوضہ اقوام میں اسلام کو نافذ کردینا تاریخ دانوں کے بیان کردہ قصوں میں سے فضول ترین اور عجیب ترین قصہ ہے''۔ (Islam at the Cross-roads by De Lacy O'Leary, London 1923 p.8)

یعنی یہ جو تاریخ دان لکھتے ہیں ناں کہ تلوار کی نوک پر فتح پائی۔ کہتا ہے یہ قصے فضول ترین قصے ہیں۔

پھر مہاتما گاندھی ایک جریدہ Young India میں لکھتے ہیں کہ:

''مَیں اُس شخص کی زندگی کے بارہ میں سب کچھ جاننا چاہتا تھا جس نے بغیر کسی اختلاف کے لاکھوں پر حکومت کی۔ اُس کی زندگی کا مطالعہ کر کے میرا اس بات پر پہلے سے بھی زیادہ پختہ یقین ہوگیا کہ اسلام نے اُس زمانے میں تلوار کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں جگہ نہیں بنائی بلکہ اس پیغمبر کی سادگی، اپنے کام میں مگن رہنے کی عادت، انتہائی باریکیوں کے ساتھ اپنے عہدوں کو پورا کرنا اور اپنے دوستوں اور پیروکاروں کے ساتھ انتہائی عقیدت رکھنا، بیباک و بے خوف ہونا اور خدا کی ذات اور اپنے مشن پر کامل یقین ہونا، اُس کی یہی باتیں تھیں جنہوں نے ہر مشکل پر قابو پایا اور جو سب کو ساتھ لے کر چلیں۔ جب مَیں نے اس پیغمبر کی سیرت کے متعلق لکھی جانے والی کتاب کی دوسری جلد بھی ختم کر لی تو مجھ پر اس کتاب (سیرت کے بارے میں جو بھی کتاب پڑھ رہے تھے) کے ختم ہو جانے کی وجہ سے اداسی طاری ہوگئی''۔ (Mahatma Gandhi, Statement published in "Young India", 1924)

پھر Sir John Bagot Glubb یہ لیفٹیننٹ جنرل تھے۔ 1986ء میں ان کی وفات ہوئی۔ یہ لکھتے ہیں کہ:

''قاری اس کتاب کے آخر پر (جو کتاب وہ لکھ رہے تھے) جو بھی رائے قائم کرے اس بات کا انکار ممکن نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی تجربات اپنے اندر پرانے اور نئے عہد ناموں کے قصوں اور عیسائی بزرگوں کے روحانی تجربات سے حیران کُن حد تک مشابہت رکھتے ہیں۔ اسی طرح ممکن ہے کہ ہندوؤں اور دیگر مذاہب کے ماننے والے افراد کے ان گنت رؤیا اور کشوف سے بھی مشابہت رکھتے ہوں۔ مزید یہ کہ اکثر اوقات ایسے تجربات تقدس اور فضیلت والی زندگی کے آغاز کی علامت ہوتے ہیں۔ ایسے واقعات کو نفسانی دھوکہ قرار دینا کوئی موزوں وضاحت معلوم نہیں ہوتی کیونکہ یہ واقعات تو بہت سے لوگوں میں مشترک رہے ہیں۔ ایسے لوگ جن کے درمیان ہزاروں سالوں کا فرق اور ہزاروں میلوں کے فاصلے تھے۔ جنہوں نے ایک دوسرے کے بارے میں سنا تک نہ ہوگا لیکن اس کے باوجود ان کے واقعات میں ایک غیر معمولی یکجائی پائی جاتی ہے۔ یہ رائے معقول نہیں کہ ان تمام افراد نے حیران کن حد تک مشابہ رؤیا اور کشوف اپنے طور پر ہی بنا لئے ہوں۔ باوجود اس کے کہ یہ افراد ایک دوسرے کے وجود ہی سے لاعلم تھے''۔

پھر جن لوگوں نے ہجرت حبشہ کی تھی اُن کے بارے میں لکھتا ہے: ''اس فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تقریباً تمام وہ افراد شامل تھے جو کہ اسلام قبول کر چکے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے متشدد باسیوں کے درمیان یقیناً بہت کم پیروکاروں کے ساتھ رہ گئے تھے۔ یہ ایک ایسی حالت ہے جو ثابت کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاقی جرأت اور ایمان کی مضبوطی کے اعلیٰ معیار پر قائم تھے''۔ (The Life and Times of Muhammad)

پھر John William Draper اپنی کتاب History of the intellectual Development of Europe میں لکھتے ہیں کہ:

''Justinian کی وفات کے چار سال بعد 569 عیسوی میں مکّہ میں ایک ایسا شخص پیدا ہوا جس نے تمام شخصیات میں سب سے زیادہ بنی نوع انسان پر اپنا اثر چھوڑا اور وہ شخص محمد ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) جسے بعض یورپین لوگ جھوٹا کہتے ہیں...... لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اندر ایسی خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے کئی قوموں کی قسمت کا فیصلہ ہوا۔ وہ ایک تبلیغ کرنے والے سپاہی تھے۔ منبر فصاحت سے پُر ہوتا (یعنی جب تقریر فرماتے) میدان میں اترتے تو بہادر ہوتے۔ اُن کا مذہب صرف یہی تھا کہ خدا ایک ہے۔ (مذہب کا خلاصہ ایک ہی تھا کہ خدا ایک ہے۔) ...... اس سچائی کو بیان کرنے کے لئے انہوں نے نظریاتی بحثوں کو اختیار نہیں کیا بلکہ اپنے پیروکاروں کو صفائی، نماز اور روزہ جیسے امور کی تعلیم دیتے ہوئے اُن کی معاشرتی حالتوں کو عملی رنگوں میں بہتر بنایا۔ اُس شخص نے صدقہ و خیرات کو باقی تمام کاموں پر فوقیت دی''۔
(History of the intellectual Development of Europe by John William Draper M.D., LL.D., New York: Harper and Brothers, Publishers, Fraklin Square 1863, page

244)

پھر ایک مشہور مستشرق ہیں William Montgomery، اپنی کتاب Muhammad at Madinah میں لکھتے ہیں کہ:

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اسلام کی ابتدائی تاریخ پر جتنا غور کریں، اتنا ہی آپ کی کامیابیوں کی وسعت کو دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ اُس وقت کے حالات نے آپ کو ایک ایسا موقع فراہم کیا جو بہت کم لوگوں کو ملتا ہے۔ گویا آپ اُس زمانے کے لئے موزوں ترین انسان تھے۔ اگر آپ کے پاس دوراندیشی، حکومت کرنے کی انتظامی صلاحیتیں، توکل علی اللہ اور اس بات پر یقین کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھیجا ہے، نہ ہوتا تو انسانی تاریخ میں ایک اہم باب رقم ہونے سے رہ جاتا۔ مجھے امید ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے متعلق یہ کتاب ایک عظیم الشان ابن آدم کو سمجھنے اور اُس کی قدر کرنے میں مدد کرے گی''۔ (William Montgomery Watt, Muhammad at Madinah, Oxford at the Clarendon Press 1956, pp. 335)

یہ اس سوانح نویس کی شہادت ہے جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں مثبت رویہ نہیں رکھتا۔

پھر مشہور عیسائی مؤرخ Reginald Bosworth Smith لکھتا ہے کہ ''مذہب اور حکومت کے رہنما اور گورنر کی حیثیت سے پوپ اور قیصر کی دو شخصیتیں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ایک وجود میں جمع تھیں۔ آپ پوپ تھے مگر پوپ کی طرح ظاہرداریوں سے پاک۔ آپ قیصر تھے مگر قیصر کے جاہ وحشمت سے بے نیاز۔ اگر دنیا میں کسی شخص کو یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ اُس نے باقاعدہ فوج کے بغیر محل شاہی کے بغیر اور لگان کی وصولی کے بغیر صرف خدا کے نام پر دنیا میں امن اور انتظام قائم رکھا تو وہ صرف حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ آپ کو اس ساز وسامان کے بغیر ہی سب طاقتیں حاصل تھیں''۔

پھر یہی Bosworth Smith اپنی کتاب محمد اینڈ محمدن ازم (Muhammed and Muhammedanism) میں لکھتے ہیں کہ:

''آپ کے مشن (یعنی نبوت و رسالت) کو سب سے پہلے قبول کرنے والے وہ لوگ تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی طرح جانتے تھے۔ مثلاً آپ کی زوجہ، آپ کا غلام، آپ کا چچازاد بھائی اور آپ کا پرانا دوست، جس کے بارے میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہا تھا کہ اسلام کے داخل ہونے والوں میں سے وہ واحد انسان تھا جس نے کبھی اپنی پیٹھ نہیں موڑی تھی اور نہ ہی وہ کبھی پریشان ہوا تھا۔ عام پیغمبروں کی طرح حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قسمت معمولی نہ تھی کیونکہ آپ کی عظمت کا انکار کرنے والے صرف وہی لوگ ہیں جنہیں آپ کی ذات کا صحیح علم حاصل نہیں تھا''۔ (Muhammed and Muhammedanism by R. Bosworth Smith, Smith Elder and Co. 1876, page 127)

پھر Bosworth ہی آگے لکھتے ہیں کہ:

''وہ رسوم و رواج جن سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے منع فرمایا، نہ صرف آپ نے ان کی ممانعت فرمائی بلکہ اُن کا مکمل طور پر قلع قمع کر دیا۔ جیسے انسانی قربانیاں (یعنی انسانوں کو قربان کرنا) چھوٹی بچیوں کے قتل، خونی جھگڑے، عورتوں کے ساتھ غیر محدود شادیاں، غلاموں کے ساتھ نہ ختم ہونے والے ظلم و ستم، شراب نوشی اور جوا بازی۔ (اگر آپ ایسا نہ کرتے تو) یہ سلسلہ بلا روک ٹوک عرب اور اس کے ہمسائے ملکوں میں جاری رہتا''۔ (اور آپ نے ان سب کو ختم کر دیا۔) (ایضاً صفحہ 125)

پھر یہی آگے لکھتا ہے کہ:

''حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے مقصد کی سچائی اور نیکی میں عمیق ترین ایمان رکھ کر جو کچھ کیا تھا، کوئی دوسرا شخص اس میں گہرے یقین کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتا''۔ (یہ گہرا ایمان اور یقین جو تھا، وہ آپ کو اپنے مقصد کے بارے میں، اپنے دعویٰ کے بارے میں، اپنا خدا تعالیٰ کی طرف سے ہونے کے بارے میں تھا، تبھی یہ انقلاب آیا۔) وہ کہتا ہے کہ ''آپ کی زندگی کا ہر واقعہ آپ کو ایسا حقیقت پسند اور پُرجوش انسان ثابت کرتا ہے جو اپنے مسلمہ عقائد اور نظریات تک آہستہ آہستہ تکالیف برداشت کرتے ہوئے پہنچنے کی کوشش کرتا ہے''۔ (ایضاً صفحہ 127)

پھر آگے لکھتے ہیں کہ ''یہ کہنا کہ عرب کو انقلاب کی ضرورت تھی یا بالفاظ دیگر یہ کہنا کہ نئے پیغمبر کے ظہور کا وقت آ گیا تھا۔ اگر ایسا ہی تھا تو پھر حضرت محمد ہی وہ پیغمبر کیوں نہ ہوں؟ اس موضوع پر موجودہ زمانے کے مصنف سپرنگر نے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آمد سے سالہا سال قبل ایک پیغمبر کے ظہور کی توقع بھی تھی اور پیشگوئی بھی تھی''۔ (ایضاً صفحہ 133)

پھر آگے یہی Bosworth ہی بیان کرتا ہے کہ: ''مجموعی طور پر مجھے یہ حیرانی نہیں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مختلف حالات میں کتنے بدل گئے تھے۔ بلکہ تعجب تو یہ ہے کہ آپ کی شخصیت میں کتنی کم تبدیلی پیدا ہوئی تھی۔ صحرائی گلہ بانی کے ایام میں (یعنی جب بھیڑیں چَراتے تھے) شامی تاجر کے طور پر، غارِ حرا کی خلوت گزینی کے ایام میں، اقلیتی جماعت کے مصلح کی حیثیت سے، (جب مکّہ میں تھے)، مدینہ میں جلا

وطنی کے ایام میں، ایک مسلمہ فاتح کی حیثیت سے، یونانی بادشاہوں اور ایرانی ہرقلوں کے ہم مرتبہ ہونے کی حالت میں ہم آپ کی شخصیت میں ایک غیر متزلزل استقلال کا مشاہدہ کر سکتے ہیں'۔ کہتا ہے کہ'' مجھے نہیں لگتا کہ اگر کسی اور آدمی کے خارجی حالات اس قدر زیادہ بدل جاتے تو کبھی اُس کی ذات میں اس قدر کم تبدیلی رونما ہوتی۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خارجی حالات تو تبدیل ہوتے رہے مگر ان تمام حالتوں میں مجھے اُن کی ذات کا جوہر ایک جیسا ہی دکھائی دیتا ہے''۔(ایضاً صفحہ 133)

واشنگٹن ارونگ (Washington Irving) اپنی کتاب'' لائف آف محمدؐ'' میں لکھتا ہے کہ:'' آپ کی جنگی فتوحات نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اندر نہ تو تکبر پیدا کیا، نہ کوئی غرور اور نہ کسی قسم کی مصنوعی شان و شوکت پیدا کی۔ اگر ان فتوحات میں ذاتی اغراض ہوتیں تو یہ ضرور ایسا کرتیں۔ اپنی طاقت کے جوبن پر بھی اپنی عادات اور حلیہ میں وہی سادگی برقرار رکھی جو کہ آپ کے اندر مشکل ترین حالات میں تھی۔ یہاں تک کہ اپنی شاہانہ زندگی میں بھی اگر کوئی آپ کے کمرہ میں داخل ہوتے وقت غیر ضروری تعظیم کا اظہار کرتا تو آپ اسے ناپسند فرماتے''۔ (The Life of Mahomet by Washington Irving, Leipzig Bernhard Touchritz 1850, pp.272-273)

پھر سر ولیم میور (Sir William Muir) یہ بھی ایک مستشرق ہے اور کافی کچھ خلاف بھی لکھتا ہے۔ یہ بھی لکھتا ہے کہ:

'' اپنا ہر ایک کام مکمل کرتے اور کسی چیز پر اُس وقت تک ہاتھ نہ ڈالتے جب تک وہ آپ کے بالکل سامنے پڑی نہ ہوتی۔ معاشرتی میل جول میں بھی آپ کا یہی طریق رہتا۔ جب آپ کسی کے ساتھ بات کرنے کے لئے اپنا رُخ موڑتے تو آپ آدھا نہ مڑتے بلکہ پورا چہرہ اور پورا جسم اُس شخص کی طرف پھیر لیتے۔ کسی سے مصافحہ کرتے وقت آپ اپنا ہاتھ پہلے نہ کھینچتے۔ اسی طرح کسی اجنبی کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے درمیان میں نہ چھوڑتے اور اگلے شخص کی بات پوری سنتے۔ آپ کی زندگی پر آپ کی خاندانی سادگی غالب تھی۔ آپ کو ہر کام خود کرنے کی عادت تھی۔ جب بھی آپ صدقہ دیتے تو سوالی کو اپنے ہاتھ سے دیتے۔ گھریلو کام کاج میں اپنی بیویوں کا ہاتھ بٹاتے......''۔

پھر لکھتا ہے:'' آپ تک ہر کس و ناکس کی پہنچ ہوتی جیسے دریا کی پہنچ کنارے تک ہوتی ہے۔ باہر سے آئے ہوئے وفود کو عزت و احترام سے خوش آمدید کہتے۔ ان وفود کی آمد اور دیگر حکومتی معاملات کے متعلق تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اندر ایک قابل حکمران کی تمام صلاحیتیں موجود تھیں۔ سب سے زیادہ حیران کُن بات یہ ہے کہ آپ لکھنا نہیں جانتے تھے''۔ (The Life of Mahomet by by William Muir, Vol. IV, London: Smith, Elder and Co., 65 Cornhill, 1861, pp.510-13)

پھر یہی ولیم میور لکھتا ہے کہ:'' ایک اہم خوبی وہ خوش خلقی اور وہ خیال تھا جو آپ اپنے معمولی سے معمولی پیروکار کا رکھا کرتے۔ حیا، شفقت، صبر، سخاوت، عاجزی آپ کے اخلاق کے نمایاں پہلو تھے اور ان کے باعث آپ اپنے ماحول میں ہر شخص کو اپنا گرویدہ کر لیتے۔ انکار کرنا آپ کو ناپسند تھا۔ اگر کسی سوالی کی فریاد پوری نہ کر پاتے تو خاموش رہنے کو ترجیح دیتے۔ کبھی یہ نہیں سنا کہ آپ نے کسی کی دعوت رڈ کی ہو خواہ وہ کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو۔ اور کبھی یہ نہیں ہوا کہ آپ نے کسی کا پیش کیا ہوا تحفہ رد کر دیا ہو خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو۔ آپ کی ایک نرالی خوبی یہ تھی کہ آپ کی محفل میں موجود ہر شخص کو یہ خیال ہوتا کہ وہی اہم ترین مہمان ہے۔ اگر آپ کسی کو اپنی کامیابی پر خوش پاتے تو گرمجوشی سے اس سے مصافحہ کرتے اور گلے لگاتے اور محروموں اور تکلیف میں گھِرے افراد سے بڑی نرمی سے ہمدردی کا اظہار کرتے۔ بچوں سے بہت شفقت سے پیش آتے اور راہ کھیلتے بچوں کو سلام کرنے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے۔ وہ قحط کے ایام میں بھی دوسروں کو اپنے کھانے میں شریک کرتے اور ہر ایک کی آسانی کے لئے ہمیشہ کوشش کرتے رہتے۔ ایک نرم اور مہربان طبیعت آپ کے تمام خواص میں نمایاں نظر آتی تھی۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک وفادار دوست تھا۔ اس نے ابوبکر سے بھائی سے بڑھ کر محبت کی۔ علی سے پدرانہ شفقت کی۔ زید، جو آزاد کردہ غلام تھا، کو اس شفیق نبی سے اس قدر لگاؤ تھا کہ اس نے اپنے والد کے ساتھ جانے کی بجائے مکہ میں رہنے کو ترجیح دی۔ اپنے نگران کا دامن پکڑتے ہوئے اس نے کہا 'میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا، آپ ہی میرے ماں اور باپ ہیں'۔ دوستی کا یہ تعلق زید کی وفات تک رہا اور پھر زید کے بیٹے اسامہ سے بھی اس کے والد کی وجہ سے آپ نے ہمیشہ بہت مشفقانہ سلوک کیا۔ عثمان اور عمر بھی آپ سے ایک خاص تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے حدیبیہ کے مقام پر بیعتِ رضوان کے وقت اپنے محصور داماد کے دفاع کے لئے جان تک دینے کا جو عہد کیا وہ اسی سچی دوستی کی ایک مثال ہے۔ دیگر بہت سے مواقع ہیں جو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی غیر متزلزل محبت کے طور پر پیش کئے جا سکتے ہیں۔ کسی بھی موقع پر یہ محبت بے محل نہ تھی، بلکہ ہر واقعہ اسی گرمجوش محبت کا آئینہ دار ہے''۔

پھر لکھتا ہے کہ'' اپنی طاقت کے عروج پر بھی آپ منصف اور معتدل رہے۔ آپ اپنے اُن دشمنوں سے نرمی میں ذرہ بھی کمی نہ کرتے جو آپ کے دعاوی کو بخوشی قبول کر لیتے۔ مکہ والوں کی طویل اور سرکش ایذا رسانیاں اس بات پر منتج ہونی

چاہیے تھیں کہ فاتح مکّہ اپنے غیظ وغضب میں آگ اور خون کی ہولی کھیلتا۔ لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چند مجرموں کے علاوہ عام معافی کا اعلان کر دیا اور ماضی کی تمام تلخ یادوں کو یکسر بھلا دیا۔ ان کے تمام استہزاء، گستاخیوں اور ظلم وستم کے باوجود آپ نے اپنے سخت ترین مخالفین سے بھی احسان کا سلوک کیا۔ مدینہ میں عبداللہ اور دیگر منحرف ساتھی (یعنی جو منافقین تھے) جو کہ سالہا سال سے آپ کے منصوبوں میں روکیں ڈالتے اور آپ کی حاکمیت میں مزاحم ہوتے رہے، ان سے درگزر کرنا بھی ایک روشن مثال ہے۔ اسی طرح وہ نرمی جو آپ نے اُن قبائل سے برتی جو آپ کے سامنے سرنگوں تھے۔ اور قبل ازیں جو فتوحات میں بھی شدید مخالف رہے تھے، ان سے بھی نرمی کا سلوک فرمایا''۔ (ایضاً صفحہ 305 تا 307)

پھر یہی ولیم میور لکھتا ہے کہ: ''یہ محمد کی سچائی کے لئے ایک تائیدی نشان تھا'' (کئی جگہ پر مخالفت میں بھی، اور قرآن کے بارے میں بھی لکھتا ہے، لیکن یہاں لکھ رہا ہے) کہ ''یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سچائی کے لئے ایک تائیدی نشان تھا کہ جو بھی آپ پر اوّل اوّل ایمان لائے وہ اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔ بلکہ آپ کے قریبی دوست اور گھر کے افراد بھی، جو کہ آپ کی ذاتی زندگی سے اچھی طرح واقف تھے آپ کے کردار میں وہ خامیاں نہ دیکھ سکے جو عام طور پر ایک منافق دھوکہ باز کے گھریلو تعلق اور باہر کے رویہ میں ہوتی ہیں''۔ (ایضاً صفحہ 98-97)

Sir Thomas Carlyle آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّی ہونے کے متعلق لکھتے ہیں کہ: ''ایک اور بات ہمیں ہرگز بھولنی نہیں چاہئے کہ اُسے کسی مدرسہ کی تعلیم میسر نہ تھی۔ اس چیز کو جسے ہم سکول لرننگ (School Learning) کہتے ہیں، ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ لکھنے کا فن تو عرب میں بالکل نیا تھا۔ یہ رائے بالکل سچی معلوم ہوتی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کبھی خود نہ لکھ سکا۔ اس کی تمام تر تعلیم صحراء کی بود و باش اور اس کے تجربات کے گرد گھومتی ہے۔ اس لامحدود کائنات، اپنے تاریک علاقہ اور اپنی انہی مادی آنکھوں اور خیالات سے وہ کیا کچھ حاصل کر سکتے تھے؟ مزید حیرت ہوتی ہے جب دیکھا جائے کہ کتابیں بھی میسر نہ تھیں۔ عرب کے تاریک بیابان میں سُنی سُنائی باتوں اور اپنے ذاتی مشاہدات کے علاوہ وہ کچھ بھی علم نہ رکھتے تھے۔ وہ حکمت کی باتیں جو آپ سے پہلے موجود تھیں یا عرب کے علاوہ دوسرے علاقہ میں موجود تھیں، ان تک رسائی نہ ہونے کے باعث وہ آپ کے لئے نہ ہونے کے برابر تھیں۔ ایسے حکام اور علماء میں سے کسی نے اس عظیم انسان سے براہِ راست مکالمہ نہیں کیا۔ وہ اس بیابان میں تنِ تنہا تھے اور یونہی قدرت اور اپنی سوچوں کے محور میں پروان چڑھا''۔ (Six Lectures by Thomas Carlyle, Edition 1846, Lecture 2 page 47)

پھر آپؐ کی شادی کے بارے میں اور آپ کے گھریلو تعلقات کے بارہ میں لکھتا ہے کہ وہ کیسے خدیجہ کا ساتھی بنا؟ کیسے ایک امیر بیوہ کے کاروباری امور کا مہتمم بنا اور سفر کر کے شام کے میلوں میں شرکت کی؟ اُس نے یہ سب کچھ کیسے کر لیا؟ ہر ایک کو بخوبی علم ہے کہ اُس نے یہ انتہائی وفاداری اور مہارت کے ساتھ کیا۔ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے دل میں اُن کا احترام اور ان کے لئے شکر کے جذبات کیونکر پیدا ہوئے؟ ان دونوں کی شادی کی داستان، جیسا کہ عرب کے مصنفین نے ذکر کیا ہے، بڑی دلکش اور قابلِ فہم ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عمر 25 سال تھی اور خدیجہ کی عمر 40 سال تھی''۔ پھر لکھتا ہے کہ ''معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس محسنہ کے ساتھ انتہائی پیار بھری، پُرسکون اور بھرپور زندگی بسر کی۔ وہ خدیجہ سے حقیقی پیار کرتے تھے اور صرف اُسی کے تھے۔ اس کو جھوٹا نبی کہنے میں یہ حقیقت روک ہے کہ آپ نے زندگی کا یہ دور اس انداز سے گزارا کہ اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ یہ دور انتہائی سادہ اور پُرسکون تھا یہاں تک کہ آپ کی جوانی کے دن گزر گئے''۔ (Six Lectures by Thomas Carlyle, Edition 1846, Lecture 2 page 48)

پھر Thomas Carlyle ہی لکھتے ہیں کہ: ''ہم لوگوں یعنی عیسائیوں میں جو یہ بات مشہور ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک پُرفن اور فطرتی شخص اور جھوٹے دعویدارِ نبوت تھے اور ان کا مذہب دیوانگی اور خام خیالی کا ایک تودہ ہے، اب یہ سب باتیں لوگوں کے نزدیک غلط ٹھہرتی چلی جاتی ہیں''۔ کہتا ہے ''جو جھوٹ باتیں متعصب عیسائیوں نے اس انسان یعنی (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت بنائی تھیں اب وہ الزام قطعاً ہماری رُوسیاہی کا باعث ہے اور جو باتیں اس انسان (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی زبان سے نکالی تھیں، بارہ سو برس سے اٹھارہ کروڑ آدمیوں کے لئے بمنزلہ ہدایت کے قائم ہیں''۔ (جب یہ انیسویں صدی میں تھا، اُس وقت کی باتیں ہیں)، ''اس وقت جتنے آدمی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتقاد رکھتے ہیں اس سے بڑھ کر اور کسی کے کلام پر اس زمانے کے لوگ یقین نہیں رکھتے۔ میرے نزدیک اس خیال سے بدتر اور ناخدا پرستی کا کوئی دوسرا خیال نہیں ہے کہ ایک جھوٹے آدمی نے یہ مذہب پھیلایا''۔ (یعنی یہ بالکل غلط چیز ہے)۔ (Six Lectures on Heroes, Hero-Worship and the Heroic in History by Thomas Carlyle)

پھر ایک فرنچ فلاسفر لامارٹین (Lamartine) اپنی کتاب 'ہسٹری آف ٹرکی' (History of Turkey) میں لکھتا ہے کہ: ''اگر کسی شخص کی قابلیت کو پرکھنے کیلئے

تین معیار مقرر کیے جائیں کہ اُس شخص کا مقصد کتنا عظیم ہے، اُس کے پاس ذرائع کتنے محدود ہیں اور اُس کے نتائج کتنے عظیم الشان ہیں تو آج کون ایسا شخص ملے گا جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مقابلہ کرنے کی جسارت کرے۔ دنیا کی شہرہ آفاق شخصیات نے صرف چند فوجوں، قوانین اور سلطنتوں کو شکست دی۔ اورانہوں نے محض دنیاوی حکومتوں کا قیام کیا اور اُن میں سے بھی بعض طاقتیں اُن کی آنکھوں کے سامنے ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوگئیں۔ مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نہ صرف دنیا کی فوجوں، قوانین، حکومتوں، مختلف اقوام اور نسلوں بلکہ دنیا کی کل آبادی کے ایک تہائی کو یکجا کر دیا۔ مزید برآں اُس نے قربانگاہوں، خداؤں، مذاہب، عقائد، افکار اور روحوں کی تجدید کی۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بنیاد صرف ایک کتاب تھی جس کا حرف حرف قانون بن گیا۔ اُس شخص نے ہر زبان اور ہر نسل کو ایک روحانی تشخص سے نوازا''۔

پھر لکھتا ہے: ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک فلسفہ دان، خطیب، پیغمبر، قانون دان، جنگجو، افکار پر فتح پانے والا، عقلی تعلیمات کی تجدید کرنے والا، بیسیوں ظاہری حکومتوں اور ایک روحانی حکومت کو قائم کرنے والا شخص تھا۔ انسانی عظمت کو پرکھنے کا کوئی بھی معیار مقرر کر لیں، کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بڑھ کر بھی کوئی عظیم شخص پیدا ہوا؟'' (History of Turkey by A. De Lamartine, New York: D. Appleton and Company, 346 & 348 Broadway, 1855. vol.1 pp.154-155)

جان ڈیون پورٹ لکھتا ہے کہ: ''کیا یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے کہ جس شخص نے حقیر و ذلیل بت پرستی کے بدلے، جس میں اُس کے ہم وطن یعنی اہل عرب مبتلا تھے، خدائے برحق کی پرستش قائم کر کے بڑی بڑی ہمیشہ رہنے والی اصلاحیں کیں، وہ جھوٹا نبی تھا؟ کیا ہم اس سرگرم اور پُر جوش مصلح کو فریبی ٹھہرا سکتے ہیں اور یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایسے شخص کی تمام کارروائیاں مکر پر مبنی تھیں؟۔ نہیں، ایسا نہیں کہہ سکتے۔ بیشک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بجز دلی نیک نیتی اور ایمانداری کے اور کسی سبب سے ایسے استقلال کے ساتھ ابتدائے نزول وحی سے اخیر دم تک مستعد نہیں رہ سکتے تھے۔ جو لوگ ہر وقت اُن کے پاس رہتے تھے اور جو اُن سے بہت کچھ ربط ضبط رکھتے تھے اُن کو بھی کبھی آپ کی ریاکاری کا شبہ نہیں ہوا''۔

پھر لکھتا ہے کہ: ''یہ بات یقینی طور پر کامل سچائی کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اگر مغربی شہزادے مسلمان مجاہدین اور ترکوں کی جگہ ایشیا کے حکمران ہو گئے ہوتے تو مسلمانوں کے ساتھ اس مذہبی رواداری کا سلوک نہ کرتے جو مسلمانوں نے عیسائیت کے ساتھ کیا۔ کیونکہ عیسائیت نے تو اپنے ان ہم مذہبوں کو نہایت تعصب اور ظلم کے ساتھ تشدد کا نشانہ بنایا جن کے ساتھ اُن کے مذہبی اختلافات تھے''۔ (An Apology for Mohammed and the Koran by John Devenport, page 82, Chapter: The Koran, printed by J.Davy and Sons, London, 1882)

پھر یہی جان ڈیون پورٹ لکھتے ہیں کہ: ''اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تمام منصفوں اور فاتحوں میں ایک بھی ایسا نہیں جس کی سوانح حیات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سوانح حیات سے زیادہ مفصل اور سچی ہو''۔ (ایضاً)

پھر مائیکل ایچ ہارٹ (Michael H. Hart) اپنی کتاب "A Ranking of the Most Influential Persons in History" میں لکھتے ہیں کہ: ''دنیا پر اثر انداز ہونے والے لوگوں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام پہلے نمبر کیلئے منتخب کرنا بعض پڑھنے والوں کو شاید حیرت زدہ کرے اور بعض اس پر سوال بھی اُٹھائیں گے۔ لیکن تاریخ میں وہ واحد شخص تھا جو کہ مذہبی اور دنیاوی ہر دو سطح پر انتہائی کامیاب تھا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کوئی اس بات کا کیسے اندازہ کرے کہ انسانی تاریخ پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کس طرح اثر انداز ہوئے؟ دیگر مذاہب کی طرح اسلام نے بھی اپنے پیروکاروں کی زندگیوں پر ایک گہرا اثر چھوڑا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں پائے جانے والے عظیم مذاہب کے بانیوں کو اس کتاب میں اہم مقام دیا گیا ہے''۔ لکھتا ہے کہ ''ایک اندازے کے مطابق دنیا میں عیسائیوں کی تعداد مسلمانوں کی تعداد سے دوگنا ہے''۔ (جب اُس نے لکھا تھا اُس وقت کی بات ہے) ''اس لحاظ سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو عیسیٰ سے پہلے رکھنا شاید آپ کو عجیب لگے۔ لیکن میرے اس فیصلہ کے پیچھے دو بڑی وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ عیسائیت کے فروغ میں عیسیٰ (علیہ السلام) کے کردار کی نسبت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اسلام کے فروغ میں کہیں زیادہ اہم کردار تھا۔ گو کہ عیسیٰ (علیہ السلام) ہی عیسائیت کے روحانی اور اخلاقی ضابطہ حیات (یعنی وہ عیسائی ضوابط جن کا یہودیت سے اختلاف ہے) کے موجب ہوئے مگر عیسائیت کو فروغ دینے کے حوالہ سے سینٹ پال نے بنیادی کردار ادا کیا۔ عیسائیت کو موجودہ شکل دینے والا اور نئے عہد نامہ کے ایک بڑے حصے کو لکھنے والا سینٹ پال ہی تھا''۔

پھر لکھتا ہے: ''جبکہ مذہب اسلام اور اس میں موجود تمام اخلاقی و مذہبی اصولوں کے ذمہ دار محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تھے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس نئے مذہب کو خود شکل دی اور اسلامی تعلیمات کے نفاذ میں بنیادی کردار ادا کیا۔ علاوہ ازیں مسلمانوں کے مقدس صحیفہ یعنی قرآن جو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بصیرت پر مشتمل

ایک کتاب تھی کو بھی لکھنے والا محمد تھا''۔ (یعنی جو مخالف ہے اس نے یہ تو بہر حال لکھنا ہے) کہتا ہے کہ ''جس کے بارے میں وہ (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن پر وحی کیا گیا۔ قرآن کے ایک بڑے حصہ کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی میں ہی نقل کر کے محفوظ کر لیا گیا تھا۔ اور آپ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ہی اس کو مجموعہ کی شکل میں محفوظ کر لیا گیا۔ اس لئے قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات اور تصورات کی حقیقی عکاسی کرتا ہے اور ایک مکتبہ فکر کے مطابق وہ آپ کے ہی الفاظ ہیں۔ جبکہ عیسیٰ (علیہ السلام) کی تعلیمات کا اس طرح سے کوئی مجموعہ نہیں ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک قرآن کی وہی اہمیت ہے جو عیسائیوں کے نزدیک بائبل کی ہے۔ اس لئے قرآن کے ذریعہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں پر بھر پور طریق سے اثر انداز ہوئے۔ اغلب گمان یہی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اسلام پر زیادہ اثر ہے بہ نسبت اُس اثر کے جو عیسیٰ (علیہ السلام) اور سینٹ پال نے مجموعی طور پر عیسائیت پر ڈالا۔ خالصتاً مذہبی نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی انسانی تاریخ پر اتنا ہی اثر انداز ہوئے جتنا کہ عیسیٰ (علیہ السلام)''۔ اس کی اپنی رائے ہے لیکن بہر حال یہ تسلیم کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نمبر ایک ہے۔ اور پھر اس نے آگے یہ بھی لکھا ہے کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں مذہبی سربراہ تھے وہاں دنیاوی حکومت کے سربراہ بھی تھے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ مقام نہیں ملا''۔ پس ہر معاملے میں آپ کا اُسوہ آپ کی ذات کو مزید روشن کرتے ہوئے چمکا کر پیش کرتا ہے۔ (The 100 A Ranking of the most Influential Persons in HIstory by Michael H. Hart)

پھر Karen Armstrong (کیرن آرم سٹرانگ) Muhammad - A Biography of the Prophet میں تحریر کرتی ہے کہ:

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بنیادی توحید پر مبنی روحانیت کے قیام کے لئے عملاً صفر سے کام کا آغاز کرنا پڑا۔ جب آپ نے اپنے مشن کا آغاز کیا تو ناممکن تھا کہ کوئی آپ کو اپنے مشن پر کام کرنے کا موقع فراہم کرتا۔ عرب قوم توحید کے لئے بالکل تیار نہ تھی۔ وہ لوگ ابھی اس اعلیٰ معیار کے نظریہ (یعنی توحید) کے قابل نہ ہوئے تھے۔ درحقیقت اس متشدد اور خوفناک معاشرہ میں اس نظریہ کو متعارف کروانا انتہائی خطرناک ہوسکتا تھا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یقیناً بہت ہی خوش قسمت ہوتے اگر اس معاشرہ میں اپنی زندگی کو بچا پاتے۔ درحقیقت محمد کی جان اکثر خطرہ میں گھری رہتی اور ان کا بچ جانا قریب قریب ایک معجزہ تھا، پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کامیاب ہوئے۔ اپنی زندگی کے اختتام تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قبائلی تشدد کی پرانی روایت کا قلع قمع کر دیا اور عرب معاشرہ کے لئے لادینیت کوئی مسئلہ نہ رہا۔ اب عرب قوم اپنی تاریخ کے ایک نئے دور میں داخل ہونے کے لئے تیار تھی''۔

(Muhammad - A Biography of the Prophet by Karen Armstrong, Page 53,54)

پھر کیرن آرم سٹرانگ ہی لکھتی ہیں کہ:

''آخر یہ مغرب ہی تھا نہ کہ اسلام''، (عیسائیت کے بارے میں، اپنے مغرب کے بارے میں لکھ رہی ہیں) ''آخر یہ مغرب ہی تھا نہ کہ اسلام، جس نے مذہبی مباحثات پر پابندی لگائی۔ صلیبی جنگوں کے وقت تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ یورپ دوسروں کے نظریات کو دبانے کی آرزو میں جنونی ہو چکا تھا اور جس جوش سے اس نے اپنے مخالفین کو سزائیں دی ہیں، مذہب کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اختلافِ رائے کرنے والوں پر مظالم، Protestants پر Catholics کے مظالم اور اسی طرح Catholics پر Protestants کے مظالم کی بنیاد اُن پیچیدہ مذہبی عقائد پر تھی جن کی اجازت یہودیت اور اسلام نے ذاتی معاملات میں اختیاری طور پر دی ہے۔ عیسائی ملحدانہ عقائد کا یہودیت اور اسلام سے کوئی تعلق نہیں جن کے مطابق (عیسائی مذہب) الوہیت کے بارے میں انسانی تصورات کو نا قابلِ قبول حد تک لے جاتا ہے بلکہ اسے مشرکانہ بنا دیتا ہے''۔ (ایضاً Page 27)

پھر اینی بسانٹ (Annie Besant) اپنی کتاب "The Life and Teachings of Muhammad" میں لکھتی ہے کہ: ''ایک ایسے شخص کیلئے جس نے عرب کے عظیم نبی کی زندگی اور اس کے کردار کا مطالعہ کیا ہو اور جو جانتا ہو کہ اُس نبی نے کیا تعلیم دی اور کس طرح اُس نے اپنی زندگی گزاری، اس کیلئے ناممکن ہے کہ وہ خدا کے انبیاء میں سے اِس عظیم نبی کی تعظیم نہ کرے۔ مَیں جو باتیں کہہ رہی ہوں اُن کے متعلق بہت لوگوں کو شاید پہلے سے علم ہوگا لیکن میں جب بھی ان باتوں کو پڑھتی ہوں تو مجھے اس عربی استاد کی تعظیم کیلئے ایک نیا احساس پیدا ہوتا ہے اور اُس کی تعریف کا ایک نیا رنگ نظر آتا ہے''۔

(The Life and Teachings of Muhammad, Madras, 1932, p.4)

پھر Ruth Cranston (روتھ کرینسٹین) World Faith (ورلڈ فیتھ) میں لکھتی ہیں کہ: ''محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی بھی جنگ یا خونریزی کا آغاز نہیں کیا۔ ہر جنگ جو انہوں نے لڑی، مدافعانہ تھی۔ وہ اگر لڑے تو اپنی بقا کو برقرار

رکھنے کے لئے اور ایسے اسلحے اور طریق سے لڑے جو اُس زمانے کا رواج تھا۔ یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ چودہ کروڑ عیسائیوں میں سے (1949ء میں یہ کتاب چھپی تھی) جنہوں نے حال ہی میں ایک لاکھ بیس ہزار سے زائد انسانوں کو ایک بم سے ہلاک کر دیا ہو، کوئی ایک قوم بھی ایسی نہیں جو ایک ایسے لیڈر پر شک کی نظر ڈال سکے جس نے اپنی تمام جنگوں کے بدترین حالات میں بھی صرف پانچ یا چھ سو افراد کو تہ تیغ کیا ہو۔ عرب کے نبی کے ہاتھوں ساتویں صدی کے تاریکی کے دور میں جب لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہوں، ہونے والی ان ہلاکتوں کا آج کی روشن بیسویں صدی کی ہلاکتوں سے مقابلہ کرنا ایک حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ اس بیان کی تو حاجت ہی نہیں جو قتل انکوزیشن (Inquisition) اور صلیبی جنگوں کے زمانے میں ہوئے جب عیسائی جنگجوؤں نے اس بات کو ریکارڈ کیا کہ وہ ان بے دینوں کی کٹی پھٹی لاشوں کے درمیان ٹخنے ٹخنے خون میں پھر رہے تھے''۔ (World Faith by Ruth Cranston, Haper and Row Publishers, New York, 1949, page 155)

پھر Godfrey Higgins (گاڈ فرے ہیگنز) لکھتے ہیں کہ: ''اس بات سے زیادہ عام طور پر کوئی بات سننے میں نہیں آتی کہ عیسائی پادری محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مذہب کو اُس کے تعصب اور غیر رواداری کی وجہ سے گالیاں دیتے ہیں، عجیب یقین دہانی اور منافقت ہے یہ۔ کون تھا جس نے سپین سے ان مسلمانوں کو جو عیسائی ہو چکے تھے، بھگایا تھا کیونکہ وہ سچے عیسائی نہ تھے؟ اور کون تھا جس نے میکسیکو اور پیرو میں لاکھوں لوگوں کو تہ تیغ کر دیا تھا اور اُن کو غلام بنالیا تھا کیونکہ وہ عیسائی نہ تھے؟ اور کیا ہی عمدہ اور مختلف نمونہ تھا جو مسلمانوں نے یونان میں دکھایا۔ صدیوں تک عیسائیوں کو اُن کے مذہب، اُن کے پادریوں، لاٹ پادریوں اور راہبوں اور اُن کے گرجا گھروں کو اپنی جاگیر پر پُرامن طور سے رہنے دیا''۔ (As Cited in Apology for Mohammed by Godfrey Higgins, Lahore, page 123-124)

پس یہ مقابلہ یہ کر رہا ہے عیسائیوں اور مسلمانوں کا۔

پھر یہی گاڈ فرے آگے لکھتے ہے کہ: ''خلفائے اسلام کی تمام تر تاریخ میں انکوزیشن (Inquisition) جیسی بدنام چیز سے نصف سے بھی کم بدنام چیز ہمیں نہیں ملتی۔ کوئی ایک واقعہ بھی کسی کو مذہبی اختلاف کی بنا پر جلا دینے یا کسی کو محض اس وجہ سے موت کی سزا دینے کا نہیں ہوا کہ مذہبِ اسلام کو قبول کیوں نہیں کرتا؟'' (ایضاً صفحہ 125-128)

یہ اُس تعلیم کا اثر تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو دی تھی۔

پھر ہسٹری آف دی سیراسین ایمپائر (History of the Saracen Empire) میں ایڈورڈ گبن (Edward Gibbon) لکھتے ہیں کہ: ''آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مذہب کی تبلیغ کے بجائے اُس کا دوام (یعنی ہمیشہ قائم رہنا) ہماری حیرت کا موجب ہے۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مکہ اور مدینہ میں جو خالص اور مکمل نقش جمایا وہ بارہ صدیوں کے انقلاب کے بعد بھی قرآن کے انڈین، افریقی اور ترک نو معتقدوں نے ابھی تک محفوظ رکھا ہوا ہے۔ مریدانِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے مذہب اور عقیدت کو ایک انسان کے تصور سے باندھنے کی آزمائش اور وسوسے کے مقابل پر ڈٹے رہے۔ اسلام کا سادہ اور ناقابل تبدیل اقرار یہ ہے کہ میں ایک خدا اور خدا کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لاتا ہوں۔ یعنی یہ ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔'' خدا کی یہ ذہنی تصویر بگڑ کر مسلمانوں میں کوئی قابلِ دید بُت نہیں بنی'' (یعنی یہ تصویر تھی خدا تعالیٰ کی جو مسلمانوں میں بت نہیں بنی)۔'' پیغمبر اسلام کے اعزازات نے انسانی صفت کے معیار کی حدود سے تجاوز نہیں کیا اور ان کے زندہ فرمودات نے ان کے پیروکاروں کے شکر اور جذبۂ احسان کو عقل اور مذہب کی حدود کے اندر رکھا ہوا ہے''۔ (History of the Sarasen Empire by Edward Gibbon, Alex Murray and Sons, London, 1870, page 54)

اور وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ اس کے مقابلے میں عیسائیوں نے بندے کو خدا بنالیا۔

اللہ کرے کہ دنیا اس عظیم ترین انسان کے مقام کو سمجھتے ہوئے بجائے لاتعلق رہنے یا مخالفت اور استہزاء کرنے کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں پناہ لینے کی کوشش کرے تا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ سکے۔ دنیا کے نجات دہندہ صرف اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ہر حقیقت پسند منصف اور سچے غیر مسلم کا بھی یہی بیان ہوگا جیسا کہ مَیں نے آپ کو بہت سارے اقتباس پڑھ کر سنائے اور بے شمار اور بھی ہیں۔ پہلے انبیاء کی سچائی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے ہی ثابت ہوتی ہے اور آپ کے ذریعہ سے ہی ثابت ہوتی ہے۔ یہ ہے مقام ختم نبوت جس کا ہر احمدی نے دنیا میں پرچار کرنا ہے اور اس کے لئے ہر ایک کو کوشش کرنی چاہئے۔ اس ضمن مَیں یہ بھی بتا دوں کہ کل سے ربوہ میں ختم نبوت کانفرنس ہو رہی ہے جو آج اس وقت ختم ہوگئی ہوگی، جس میں سیاسی باتوں اور اخلاق باختہ تقریروں اور احمدیوں کو گالیاں دینے، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف مغلظات بکنے کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ اور یہ سب کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق اور ختم نبوت کے نام پر ہو رہا ہے۔ اور سمجھتے یہ

ہیں کہ ہم ختم نبوت کا مقام دنیا کو بتا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عقل دے۔ بہر حال یہ تو اُن کا فعل ہے، جیسا کہ میں نے کہا کہ احمدی کا کام یہ ہے کہ ختم نبوت کی حقیقت کو دنیا کو بتائے اور وہ اسی صورت میں ممکن ہے، جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام دنیا میں پہنچائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

دو ہفتے پہلے کے 21 ستمبر کے خطبہ میں مَیں نے وکلاء کے بارے میں بھی ذکر کیا تھا کہ دنیا کے مسلمان وکلاء اکٹھے ہوں لیکن مسلمان تو پتہ نہیں اکٹھے ہوتے ہیں کہ نہیں، ہمارے احمدی وکلاء نے اس بارہ میں پاکستان میں بھی کچھ کام شروع کیا ہے کہ مذہبی جذبات کا خیال اور آزادیٔ رائے کی حدود کے بارے میں کیا کیا جا سکتا ہے، کس حد تک اُن کو محدود کیا جا سکتا ہے۔ تو بہر حال انہوں نے اس بارے میں کچھ باتیں اکٹھی کی ہیں، کچھ پوائنٹس بنائے ہیں۔ اور مختلف ملکوں کی عدالتوں کے جو فیصلے ہیں اور جو ان کے قانون ہیں، اسی طرح جو بین الاقوامی قانون ہے، اُس کو بھی سامنے رکھ کر کچھ سوال اُٹھائے ہیں، وہ یہاں بھی بھجوائے تھے جو میں نے مختلف ملکوں میں احمدی وکلاء کو بھجوائے ہیں۔ کیونکہ پاکستان میں ہمارے احمدی وکیل جنہوں نے پہلے یہ توجہ دلائی تھی، انہوں نے ہی بتایا کہ دوسرے مسلمان وکلاء کے ساتھ وہاں بیٹھے ہوئے تھے تو اُن سب وکلاء نے پاکستان میں انہیں یہ کہا کہ اگر یہ کام منظم طور پر کوئی کر سکتا ہے تو جماعت احمدیہ کر سکتی ہے۔ اس لئے تم لوگ اس سوال کو دنیا میں اُٹھاؤ۔ بہر حال یہ مَیں نے دنیا کے مختلف احمدی وکلاء کو بھجوایا ہے کہ اس پر غور کریں اور بتائیں کہ اس میں کیا کچھ ہو سکتا ہے۔ اس بارے میں ان کو چاہئے کہ جلد تر غور کریں اور جو بھی رائے بنے وہ مجھے بھجوائیں تا کہ پھر دنیا کے مختلف وکلاء کی جو رائے آئیں، اُن کا آپس میں ایکسچینج (Exchange) بھی ہو اور پھر جو رائے قائم ہو اس کے مطابق اگر کوئی عملی کارروائی کرنی ہو تو کی جا سکے۔ اللہ تعالیٰ ان سب احمدی وکلاء کو بھی توفیق عطا فرمائے کہ یہ کام جلد کر سکیں۔ اسی طرح احمدی سیاستدانوں کو جو مختلف ممالک میں ہیں یا سیاستدانوں کے جو قریب ہیں، اُن کو بھی اس معاملے کو احسن رنگ میں کسی فورم پر رکھنا چاہئے کہ آزادیٔ رائے کی کوئی حدود مقرر ہونی چاہئیں ورنہ دنیا پہلے سے بھی زیادہ فساد میں مبتلا ہو جائے گی۔

اسی طرح مَیں اس حوالے سے ایک دعا کی تحریک بھی کرنا چاہتا ہوں اور کرتا بھی رہتا ہوں کہ مسلم اُمّہ کے لئے آجکل بہت دعا کریں۔ مسلمان سربراہوں کو اللہ تعالیٰ عقل دے کہ وہ اپنے شہریوں کے خون سے نہ کھیلیں۔ شہریوں کو عقل دے کہ غلط لیڈروں کا آلۂ کار بن کر ایک دوسرے کی گردنیں نہ ماریں۔ مسلمان حکومتوں کو عقل دے کہ وہ غیروں کا آلہ کار بن کر ایک دوسرے پر حملے نہ کریں۔ آجکل پھر حملے ہو رہے ہیں ترکی اور شام کی آپس میں ٹھنی ہوئی ہے۔ مسلمان کو مسلمان سے لڑانا اور خود ہر قسم کا فائدہ اُٹھانا، جو طاقتیں مسلمانوں کے خلاف ہیں اُن کا یہی کام ہے اور وہ اس پر آجکل عمل کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ یہ ایجنڈا انہوں نے سب سے پہلے رکھا ہوا ہے۔ اس چیز کو مسلمان نہیں سمجھ رہے۔ اللہ تعالیٰ مسلم اُمّہ کو اپنی حفاظت میں رکھے اور ان لوگوں کو عقل دے کہ یہ اس حقیقت کو سمجھیں اور اپنی ذمہ واریوں کو نبھانے والے ہوں۔

جمعہ کی نماز کے بعد مَیں کچھ جنازے غائب بھی پڑھاؤں گا۔ ان میں سے پہلا جنازہ تو مکرم خواجہ ظہور احمد صاحب ابن خواجہ منظور احمد صاحب سرگودھا کا ہے۔ یہ کوٹ مومن کے رہنے والے تھے۔ ان کے پڑدادا حاجی امیر دین صاحب کے زمانے میں ان کے خاندان میں احمدیت آئی۔ انہیں کل رات شہید کر دیا گیا ہے۔ اِنَّـا لِلّٰـہِ وَاِنَّآاِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

شہید مرحوم کا خاندان تجارت سے منسلک رہا۔ پہلے کافی لمبا عرصہ کوٹ مومن میں بھی رہے تھے، پھر یہ سرگودھا منتقل ہو گئے اور تاجر لوگ تھے۔ کل رات کو جیسا کہ مَیں نے کہا، ان کو شہید کیا گیا ہے۔ سوا نو بجے کے قریب یہ اپنے گھر سے سائیکل پر باہر کسی کام سے نکلے تو وہاں باہر گلی میں پہلے ہی موجود دو نامعلوم افراد موٹر سائیکل پر سوار کھڑے تھے۔ انہوں نے پستول سے ان پر فائر کیا جو آپ کے دائیں کان کے نیچے گردن پر لگا اور حملہ آور فرار ہو گئے۔ کسی راہ گیر نے دیکھا تو ریسکیو والوں کو فون کیا۔ اس پر آپ کو ہسپتال لے جایا جا رہا تھا کہ راستے میں وفات ہو گئی۔ اِنَّـا لِلّٰـہِ وَاِنَّـااِلَیْـہِ رَاجِعُوْن ۔ مرحوم کو مذہبی مخالفت کا لمبے عرصے سے سامنا تھا۔ اپریل میں اس سال ارد گرد کے مخالف دوکانداروں نے ان کے مالک دوکان سے، جس سے کرائے پر دوکان لی ہوئی تھی، کہا کہ اس کی دوکان خالی کرواؤ، لیکن مالک نے انکار کر دیا۔ پھر مختلف طریقوں سے ان کو تنگ کیا جاتا رہا۔ ان کی دوکان کے تالے میں کبھی ایلفی ڈال دیتے تھے یا سیل کر دیتے، جلوس نکالتے تو توڑ پھوڑ ہوتی تھی۔ بہر حال جو کوششیں تنگ کرنے کی ہوتی تھیں، کرتے رہے لیکن یہ بھی استقامت سے ڈٹے رہے اور اپنے کاروبار کو جاری رکھا۔ سادگی ان میں بے تحاشا تھی۔ مالی کشائش کے باوجود چھوٹے موٹے کام کرنے ہوں تو سائیکل کا استعمال کیا کرتے تھے۔ کسی بھی جماعتی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے تھے اور بڑے نیک نفس انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ ان کی اہلیہ کے علاوہ دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو صبر اور حوصلہ عطا فرمائے۔

دوسرا جنازہ مکرمہ صاحبزادی امۃ السمیع صاحبہ کا ہے جو حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ کی بیٹی اور مکرم صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب کی بیگم تھیں۔ یہ 3/اکتوبر کو صبح دس بجے ربوہ میں وفات پا گئی ہیں۔ اِنَّـا لِلّٰہِ وَاِنَّآاِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ آپ

1937ء میں پیدا ہوئیں اور ابتدائی تعلیم قادیان سے حاصل کی۔ پھر پاکستان آ کے میٹرک کیا۔ (یہیں آ کے میٹرک کیا ہے۔ پارٹیشن سے پہلے تو نہیں کیا ہوگا)۔ 1952ء میں آپ کا نکاح حضرت مصلح موعود نے اپنے بیٹے مکرم مرزا رفیع احمد صاحب کے ساتھ پڑھایا اور دسمبر 1953ء میں ان کا رخصتانہ عمل میں آیا۔ رخصتانے کے بارے میں (آجکل تو بڑا شور شرابا ہوتا ہے اور رسم و رواج بھی بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں) انہوں نے اپنے بیٹے کو بتایا کہ میری شادی عجیب حالت میں ہوئی ہے کہ جلسہ سالانہ کے دن تھے۔ 28 دسمبر کو جلسہ کے آخری دن شادی ہوئی۔ جلسہ کے دنوں میں ادھر ہی ڈیوٹی لگی ہوئی تھی۔ کوئی پروگرام شادی کا نہیں تھا۔ ڈیوٹی دے کر آئیں تو ان کی امّاں نے کہا کہ صبح تمہاری شادی ہے۔ کہتی ہیں اُس وقت میرے ہاتھ کالے تھے کیونکہ جلسہ کی ڈیوٹی کی وجہ سے دیگیں دھو کر آ رہی تھیں۔ تو لڑکیوں نے مل کے میرے ہاتھ دھوئے، سیاہی دور کی اور اگلے روز بغیر کسی مہندی وغیرہ کے شادی ہوگئی۔ 1991ء میں لندن میں آپ کا بائی پاس آپریشن ہوا تھا۔ بڑی صابر تھیں جس ڈاکٹر نے آپریشن کیا تھا اُس نے بھی آپ کے صبر کو دیکھ کر کہا کہ مَیں نے اس وقت اپنا Best Patient دیکھا ہے۔ اس کا تمہیں ایوارڈ دیتا ہوں کہ اتنا صبر مَیں نے کسی Patient میں نہیں دیکھا۔ اس سے پہلے ان کو کینسر بھی ہوا تھا۔ ہر بیماری کو بڑے صبر اور ہمت اور حوصلے سے انہوں نے برداشت کیا۔ جلسہ سالانہ میں مہمانوں کی خاص طور پر بہت خدمت کیا کرتی تھیں۔ مہمانوں سے ان کا گھر بھرا رہتا تھا۔ باوجود مہمانوں کے جلسہ کی ڈیوٹیاں باقاعدہ دیتی رہیں۔ پھر ان کا ملازموں سے بڑا حسنِ سلوک تھا، کبھی کسی کو نہیں ڈانٹا۔ ان کے بچے کہتے ہیں کہ صدقہ وخیرات میں بھی ہمیں پتہ نہیں لگتا تھا، بڑی خاموشی سے دیا کرتی تھیں۔ چھوٹے سائز کا قرآن شریف تھا، روزانہ جب موقع ملتا تھا اُس کو پڑھتی رہتی تھیں۔ بچے کہتے ہیں کہ وہ قرآن شریف ہم نے ان کے ہاتھ میں چالیس سال سے دیکھا ہے۔ خلافت کے ساتھ بھی بڑا وفا کا اور اخلاص کا تعلق تھا اور بچوں کو نصیحت کی کہ اسی میں خیر و برکت ہے، اس کو جاری رکھنا۔ اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائے اور ان کے بچوں کو ان کی نیکیوں کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

تیسرا جنازہ مکرم چوہدری خالد احمد صاحب کا ہے جو چوہدری محمد شریف صاحب ساہیوال کے بیٹے تھے۔ 20 ستمبر 2012ء کو جرمنی میں ایک حادثے کے نتیجے میں چند دن قومہ میں رہے اور یکم اکتوبر کو اناسی سال کی عمر میں ان کی وفات ہوگئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ 13 اکتوبر 1933ء کو تلونڈی عنایت خان تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ میں یہ پیدا ہوئے۔ آپ کے والد چوہدری محمد شریف صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے۔ آپ کے والد تقریباً چالیس سال جماعت احمدیہ ساہیوال اور ضلع ساہیوال کے امیر جماعت بھی رہے۔ ان کے دادا حضرت نواب محمد دین صاحب تھے جنہوں نے ربوہ کی زمین کے حصول کے لئے کافی خدمات سرانجام دیں۔ آپ چوہدری شاہنواز صاحب اور مجیدہ شاہنواز صاحبہ کے داماد تھے جن کو یہاں یوکے میں بھی بہت لوگ جانتے ہیں۔ آجکل حلقہ ڈیفنس کراچی کے نائب صدر تھے، دس سال سے نائب صدر تھے۔ مرکزی قضاء بورڈ ربوہ کے بھی ممبر رہے ہیں۔ اسی طرح فضل عمر فاؤنڈیشن کے ڈائریکٹر بھی تھے۔ قضاء بورڈ میں بھی رہے۔ مَیں بھی قضاء میں کچھ عرصہ قاضی رہا ہوں تو اُس وقت یہ میرے ساتھ بھی کام کرتے رہے ہیں۔ اللہ کے فضل سے بڑے صائب الرائے تھے۔ مالی تحریکات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے تھے۔ خلافت کے ساتھ بڑا اخلاص و وفا کا تعلق تھا۔ ہمیشہ جلسہ پر یہاں آتے تھے۔ باوجود متمول ہونے کے سادہ مزاج اور ملنسار اور غریب پرور انسان تھے بلکہ ان کے بارے میں کسی نے مجھے ذاتی طور پر بتایا کہ بڑا عرصہ ہوگیا کہ ان کا اپنا ایک بنگالی ملازم تھا۔ اُس کو انہوں نے کہیں ذرا تھوڑا سا سخت کہہ دیا یا اونچی آواز میں بولے تو شام کو جب گھر آئے تو ان کی بیوی نے کہا کہ ہمارا بنگالی نوکر بڑا افسردہ تھا کہ صاحب نے مجھے ڈانٹا ہے۔ تو بیوی کو کہنے لگے کہ او ہو مَیں نے تو ایسی بات نہیں کی تھی لیکن پھر بھی میں ابھی اُس سے معافی مانگ لیتا ہوں۔ اتنی سادگی تھی ان میں۔ سندھ میں زمینوں پر غیر قوموں کا، ہندوؤں کا یہ بڑا خیال رکھتے تھے۔ ان کی وفات کا سن کے سب نے کہا ہے کہ ہم تدفین کے لئے ربوہ بھی جائیں گے۔ وہاں زمیندارہ میں لیبر عورتیں کام کرتی ہیں۔ دیہاتوں میں مرچوں کی یا کپاس وغیرہ کی چنائی ہوتی ہے، تو ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے کہ اُن کی مزدوری جو ہے وہ ان کے خاوندوں کو، مَردوں کو نہ دیا کرو۔ کیونکہ وہ عورتوں کو نہیں دیتے، بلکہ عورتوں کے ہاتھ میں مزدوری دیا کرو۔ مینیجر نے مجھے لکھا کہ ان کو ہماری بڑی فکر تھی۔ سندھ کے حالات بھی ایسے تھے۔ اگر ہم کسی کام کے لئے گئے ہیں تو جب تک گھر نہ پہنچ جائیں، بار بار فکر سے فون کر کے پوچھتے رہتے تھے۔ ان کو اپنے عملہ کا بڑا خیال تھا۔ نہایت عاجز اور نفیس انسان تھے۔ بیواؤں اور یتیموں کا وظیفہ مقرر کیا ہوا تھا۔ لیکن عزت نفس کا خیال بھی رکھتے تھے بڑی خاموشی سے امداد کیا کرتے تھے۔ اپنوں، غیروں ہر ایک کے ساتھ نیک سلوک تھا۔ ان کی اہلیہ اور دو بیٹے اور ایک بیٹی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور ان کے لواحقین کو بھی، بچوں کو بھی ان کی نیکیوں کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جیسا کہ مَیں نے کہا نماز کے بعد انشاء اللہ یہ سارے جنازے ادا کئے جائیں گے۔

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل

(آل عمران:174)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خطبہ جمعہ فرمودہ 5 مارچ 2010ء میں فرمایا:

پس آج دنیا کے بعض ممالک میں احمدیت کی مخالفت ہے تو یہ احمدیت کی سچائی کی دلیل ہے۔ یہ بات ہمیں پہلے سے زیادہ دعاؤں کی طرف متوجہ کرنے والی ہوتی ہے اور ہونی چاہئے۔ اس مخالفت نے اور گروہ بندی نے، بلکہ تمام 72 فرقوں نے جمع ہو کر، مخالفت میں پورا زور لگا کر پاکستان میں احمدیوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا نہ پہنچا سکتے ہیں۔ مومن کے نزدیک ظاہری نقصان کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ اصل چیز ایمان کی دولت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر شہید کی شہادت کے بعد ان کے بیوی بچوں، ماں باپ اور عزیزوں کی طرف سے مَیں ایمان میں مضبوطی اور پہلے سے بڑھ کر اخلاص و وفا کے اظہار کے خطوط وصول کرتا ہوں۔ یہی حال مخالفت کا آج کل ہندوستان کے بعض علاقوں میں ہے۔ تمام مولوی ٹولے جمع ہو گئے ہیں اور احمدیوں کو، نومبائعین کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اپنے دین سے پھیرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہی حال بنگلہ دیش میں تھا اور اب بھی جب ان کو موقع ملتا ہے کہیں کہیں ہو جاتا ہے۔ یہی حال عرب کے بعض ممالک میں ہے۔ شام ہو یا مصر ہو یا کوئی اور دوسرا علاقہ ہو جہاں احمدیوں کا پتا چلتا ہے، حکومتی ادارے انہیں خوفزدہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی حال بلغاریہ میں احمدیوں سے کیا جا رہا ہے تا کہ وہ احمدیت چھوڑ دیں۔ سرکاری مفتی پولیس کے ذریعہ دباؤ ڈلواتا ہے۔ یہی حال روس کی بعض مسلمان ریاستوں میں ہے۔ وہاں کا جو مرکزی مفتی ہے وہ حکومتی ایجنسیوں کے ذریعہ سے ہمارے مبلغین اور افرادِ جماعت پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ غرض دنیا کے مختلف ممالک میں مسیح محمدی کی جماعت کی مخالفت اس کی عالمگیریت ثابت کرتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی صفتِ حسیب کو سمجھنے والے ہمیشہ، ہر جگہ یہی جواب دیتے ہیں کہ جتنی چاہے گروہ بندیاں کر کے مخالفتیں کر لو۔ ہمارا ہمیشہ یہ جواب ہے کہ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (آل عمران:174) کیونکہ ہم نے اپنے آقا و مطاع حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے یہی سیکھا ہے۔ پس احمدیوں کو ہمیشہ صبر اور برداشت سے بغیر کسی خوف کے ان تکلیفوں کو برداشت کرتے چلے جانا چاہئے۔ اور اپنے ایمانوں میں مضبوطی پیدا کرتے چلے جانا چاہئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بات کی اس طرح بھی وضاحت فرمائی ہے۔ فرمایا کہ:

''اس آیت میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ حقیقی شجاعت کی جڑ صبر اور ثابت قدمی ہے۔ اور ہر ایک جذبہ نفسانی یا بلا جو دشمنوں کی طرح حملہ کرے اس کے مقابل ثابت قدم رہنا اور بزدل ہو کر بھاگ نہ جانا، یہی شجاعت ہے''۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 359)

پس یہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس آیت کا ایک اور مضمون کھولا ہے کہ ظاہری دشمنی کے علاوہ بھی ایک دشمنی ہے اور وہ دشمن ہے جو نفسانی جذبہ ہے۔ اور یہ بھی ایک بلا ہے جو دشمن کی طرح حملہ کرتی ہے۔ اس کے مقابل پر بھی ثابت قدم رہنا کہ یہی مومنانہ شان ہے۔ ظاہری دشمن کے مقابلے کی طاقت تو تب پیدا ہو گی جب نفسانی جذبے کے حملے کا مقابلہ کر سکو گے۔ ایمان میں ترقی اس وقت ہوتی ہے جب یہ خیال دل میں رہے کہ سب کچھ خدا کا ہے اور اس کی خاطر ہمارا اٹھنا بیٹھنا ہے۔ اگر زمانے کی ہوا و ہوس سے مرعوب ہو گئے اور اس رَو میں بہَ گئے جس میں زمانہ چل رہا ہے تو مخالفین کے ٹولوں اور جان مال کے نقصان کی برداشت کی طاقت بھی نہیں رہے گی۔ پس نفسانی دشمن پر بھی قابو پانا اور اس کے سامنے ثابت قدمی دکھانا مومن کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ اور پھر یہی چیز جیسا کہ مَیں نے کہا، ظاہری دشمن کے مقابلے کے لئے بھی طاقت بخشے گی۔ اور حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (آل عمران:174) کا نعرہ دل سے اٹھے گا اور عرش پر پہنچے گا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کے حسیب ہونے کے وہ نظارے نظر آئیں گے جس کا تصور بھی انسانی سوچ سے باہر ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:۔

''اس جماعت میں جب داخل ہوئے ہو تو اس کی تعلیم پر عمل کرو۔ اگر تکالیف نہ پہنچیں تو پھر ثواب کیونکر ہو۔ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں تیرہ برس دکھ اٹھائے۔ تم لوگوں کو اس زمانے کی تکالیف کی خبر نہیں اور نہ وہ تم کو پہنچیں ہیں۔ مگر آپ نے صحابہ (رضوان اللہ علیہم) کو صبر ہی کی تعلیم دی۔ آخر کار سب دشمن فنا ہو گئے۔ ایک زمانہ قریب ہے کہ تم دیکھو گے کہ یہ شریر لوگ بھی نظر نہ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ اس پاک جماعت کو دنیا میں پھیلائے۔ اب اس وقت یہ لوگ تمہیں تھوڑے دیکھ کر دکھ دیتے ہیں۔ مگر جب یہ جماعت کثیر ہو جائے گی تو یہ سب خود ہی چُپ ہو جائیں گے۔ اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو یہ لوگ دُکھ نہ دیتے اور دکھ دینے والے پیدا نہ ہوتے مگر خدا تعالیٰ ان کے ذریعہ سے صبر کی تعلیم دینا چاہتا ہے۔ تھوڑی مدت صبر کے بعد دیکھو گے کہ کچھ بھی نہیں ہے۔ جو شخص دکھ دیتا ہے، یا تو وہ توبہ کر لیتا ہے، یا فنا ہو جاتا ہے''۔

کس طرح تیرا کروں اے ذوالمنن شکر وسپاس

امۃ اللطیف زیروی. فیر لان. نیو جرسی

کبھی کبھی تنہائی میں بیٹھے اچانک ماضی کی یادیں ذہن میں چکر لگانے لگتی ہیں اور بعض مرتبہ سارا ماضی ایک فلم کی طرح آنکھوں کے سامنے گزرنے لگتا ہے۔ آج دل کر رہا ہے کہ ماضی کی کچھ یادیں تحدیث نعمت کے طور پر صفحہ قرطاس پر بکھیر دوں۔ ویسے تو زندگی کسی کی کتنی ہے کسی کو بھی معلوم نہیں لیکن کچھ عمر کے تقاضے کی وجہ سے اور کچھ صحت اچھی نہ ہونے کی وجہ سے اب تو لگتا ہے کہ نہ جانے کب اس جہان سے کوچ کر جانے کا وقت آ جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے جتنی بھی عمر ہے وہ خیر وعافیت سے گزار دے اور انجام بخیر کرے اور حسابًا یّسیرًا کر دے۔ آمین ثم آمین۔

مَیں قادیان دارالامان میں پیدا ہوئی۔ Partition کے وقت میری عمر 3 سے 4 سال کے لگ بھگ تھی۔ ایک سال لاہور رہے، اس کے بعد ربوہ اس وقت گئے جبکہ ربوہ ایک Tent City کی طرح کا تھا۔ لاہور کے قیام کے دوران کی یادیں تو کوئی زیادہ نہیں۔ جودھامل بلڈنگ کے ایک حصہ میں ہم رہتے تھے اسی عرصہ میں میری چھوٹی بہن مبارکہ بشریٰ (جواب بشریٰ باری کہلاتی ہیں) پیدا ہوئی۔ جب ربوہ گئے تو زندگی کافی سخت تھی، بنجر غیر آباد زمین، زندگی کی سہولت کیلئے کوئی آسانی نہ تھی نہ بجلی نہ پانی۔ گرمی کے دنوں میں سخت گرمی اور سردیوں میں سخت سردی۔ Tents میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد کچے مکان بنے۔ جب اسکول کے قریب آمنے سامنے کچے مکان اسکول کے ٹیچرز کیلئے بنے تو ہم وہاں منتقل ہو گئے۔ وہ استانیوں کی گلی کہلاتی تھی۔ میری پیاری امّی امۃ الرشید شوکت بھی اسکول میں پڑھاتی تھیں۔ اسی وقت مَیں نے بھی اسکول شروع کیا۔ عجیب پرمشقت زندگی تھی۔ اسکول کیا تھا؟ لمبے لمبے ٹاٹ بچھا کر سٹوڈنٹ آگے پیچھے ان پر بیٹھتے تھے Open air میں شروع میں تو ٹیچر کیلئے کرسی بھی نہ تھی چند اینٹوں سے ایک ذرا اونچی جگہ بیٹھنے کیلئے بنا دیتے، ایک Black Board ہوتا اور بس! ہمارے لکھنے کے لئے لکڑی کی تختی اور سلیٹ ہوتی تھی اسی پر لکھتے تھے اور پھر صاف کرکے دوبارہ وہی استعمال ہوتی تھی۔ ربوہ میں ان دنوں زمین شورے والی تھی اس وجہ سے مٹی پھول جاتی تھی۔ ہماری ڈیوٹی لگی ہوتی تھی کہ اسکول کے بعد جہاں ہم بیٹھتے تھے پوچا پھیر کر جائیں تاکہ اگلے دن ہم بیٹھ سکیں اور مٹی نہ اُڑے۔ گھر میں بھی یہی کرنا پڑتا تھا تاکہ مٹی نہ اُڑے۔ پانی ماشکی لاتے تھے۔ بعد میں جب گلیوں میں نلکے لگ گئے پینے کیلئے میٹھا پانی تو ماشکی احمد نگر سے لاتے تھے باقی پانی گلی کے نلکے سے بالٹیوں میں ہم بھر کر لاتے تھے۔ مَیں پتلی دبلی ہوتی تھی، جب بالٹی کی پانی بھر کر لاتی تھی تو کچھ دیر تک ہاتھ کی انگلیاں سیدھی نہیں ہوتی تھیں۔ لکڑیاں اور چھاپوں سے شروع میں صبح، دوپہر، شام، آگ جلا کر کھانا پکایا جاتا تھا۔ دھوئیں سے آنکھیں اشکبار ہو جایا کرتی تھیں اور پھر راکھ کے ساتھ بالٹیوں میں سے پانی لیکر برتن صاف کرنا بھی کوئی آسان کام نہ تھا کیونکہ مٹی بہت ہوتی تھی۔ کپڑے میلے ہو جاتے تھے۔ ڈنڈے مار مار کر ان کو دھونا پڑتا تھا۔ غرض پرمشقت زندگی تھی۔ ہر جگہ پیدل جانا ہوتا تھا جب بارش ہوتی تھی تو پاؤں کیچڑ سے لت پت ہو جاتے تھے کیونکہ سڑکیں بھی کچی تھیں۔

آج کی سہولیات کے لحاظ سے زندگی سخت تھی لیکن دوسری طرف اہل ربوہ دنیا کے خوش قسمت ترین باشندے تھے وہ اس لئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مبارک زوجہ حضرت نصرت جہاں بیگمؓ صاحبہ اور مبشر اولاد (جن میں سے حضرت مصلح الموعودؓ خلیفۃ المسیح الثانیؓ تھے) ہمارے درمیان رہتے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت المسیح الموعود علیہ السلام کے جلیل القدر اصحابؓ اور صحابیاتؓ ہمارے درمیان رہتی تھیں۔ عجیب روحانی ماحول تھا۔ یہ سب بزرگ ہستیاں چلتے پھرتے فرشتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک یوم مصلح موعود کے موقع پر حضرت نصرت جہاں بیگم صاحبہ (حضرت اماں جانؓ) ہمارے اسکول تشریف لائیں اور لڈو بانٹے، نصائح سے نوازا۔ سب لڑکیوں نے سفید کپڑے اور سبز دوپٹے پہنے ہوئے تھے۔

ہم اوپر تلے چار بہنیں ہیں۔ جب ہم استانیوں والی گلی میں رہتے تھے اس وقت ہم صرف بہنیں تھیں۔ ایک مرتبہ اچانک صبح حضرت اماں جانؓ اسکول آئیں اور وہاں پر موجود سب استانیوں سے ان کا حال احوال پوچھا۔ میری پیاری امّی جان سے انہوں نے پوچھا کتنے بچے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ چار بیٹیاں ہیں تو حضرت امّاں جانؓ نے ان سے کہا اب خدا تعالیٰ بیٹے دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پھر تین بیٹے عطا ہوئے۔ الحمدللہ، بڑا بھائی مجیب الرحمٰن جب پیدا ہوا تو اسکول میں آدھے دن کی چھٹی ہوگئی۔

جب ہم استانیوں والی گلی میں رہتے تھے اس گلی میں استانی میمونہ صوفیہؓ بھی رہتی تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ رمضان المبارک کے مہینہ میں وہ ساری گلی کی بچیوں کو اکٹھا کر کے مسجد مبارک میں تراویح پڑھنے کیلئے جایا کرتی تھیں۔ جو حافظ محمد رمضان صاحب پڑھاتے تھے ان کی آواز نہایت شیریں تھی۔ ابھی مَیں چوتھی یا پانچویں کلاس میں تھی کہ تحریک جدید کے پکے مکان بنے تو ہم ادھر منتقل ہوگئے۔ سارے مکانوں میں واقف زندگی رہتے تھے۔ کئی واقف زندگی دوسرے ملکوں میں تبلیغ کیلئے گئے ہوتے تھے لیکن ان کی فیملیاں ربوہ میں ہی رہتی تھیں۔ گلیوں میں ٹریفک کوئی نہیں ہوتی تھی اس لئے محلّہ کے سارے بچے آزادی سے گلیوں میں کھیلتے کودتے تھے۔ مَیں کیونکہ گھر میں سب سے بڑی تھی اس لئے چھوٹی عمر میں ہی مَیں نے اندر باہر کے کام کرنے شروع کر دیئے تھے۔

ربوہ میں اس وقت تقریباً سارے احمدی ہی رہتے تھے ماحول بڑا روحانی تھا۔ پانچوں نمازوں کے وقت بلند آواز سے اذان کی آواز سنائی دیتی تھی۔ خصوصاً گرمیوں کے دنوں میں جبکہ ہم صحن میں سوتے تھے فجر کی اذان جب ہوتی تو عجیب حالت ہوتی، مؤذن بشارت احمد صاحب (جو کہ بشارت قصائی کہلاتے تھے) کی آواز نہایت شیریں تھی جب وہ لاؤڈ سپیکر پر فجر کی اذان دیتے تھے تو ان کی شیریں آواز ربوہ کی پہاڑیوں سے ٹکراتی ہوئی عجیب سحر کن ہوتی تھی۔ بعض مرتبہ جسم میں لہریں دوڑنے لگتی تھیں۔ اس کے بعد محلے کے اطفال اور خدام صلّ علیٰ نبیّنا صلّ علیٰ محمدٍ کا ورد کرتے ہوئے گھروں کے دروازے کھٹکھٹاتے اور ان گھروں کے اطفال اور خدام بھی گھروں سے نکل کر اس ورد میں شامل ہو جاتے تھے اور ورد کرتے کرتے فجر کی نماز کیلئے مساجد میں پہنچ جاتے تھے۔ ایک اور بات جو مجھے یاد ہے کہ اکثر مولوی بقاپوری صاحبؓ فجر نماز کے بعد سیر کرتے ہوئے ہمارے گھر آ جاتے، سب کا احوال پوچھتے اور پھر کہتے آؤ دعا کر لیں اور پھر دعا کرواتے اور رخصت ہو جاتے۔ کیا روحانی ماحول تھا۔

جب مَیں آٹھویں جماعت میں تھی اس وقت میرا دوسرا بھائی ہشام قمر پیدا ہوا۔ جیسا کہ مَیں نے پہلے لکھا ہے کہ مَیں نے چھوٹی عمر میں ہی گھر کا کام کاج شروع کر دیا تھا۔ کھانا پکانا بھی سیکھ لیا تھا۔ مَیں آٹھویں جماعت میں تھی کہ میرے سب سے چھوٹے ماموں حبیب احمد کی شادی ہوئی۔ دعوت ولیمہ میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ (قمر الانبیاء) نے تشریف لانا تھا۔ ان دنوں واقفین زندگی نہایت سادگی سے رہتے تھے بمشکل گزارہ ہوتا تھا۔ دعوت ولیمہ کا کھانا نہایت سادہ تھا۔ مجھے کہا گیا کہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی Table پر رکھنے کیلئے مَیں چٹنی بنادوں۔ مَیں نے ٹماٹر، انار دانہ اور پودینہ کی چٹنی بنائی۔ غالباً اگلے روز حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی طرف سے ایک رقعہ آیا جس میں لکھا تھا کہ چٹنی بہت مزیدار تھی اور اس کی ترکیب پوچھی ہوئی تھی۔ مَیں نے تو اندازے سے ہی وہ چٹنی بنائی تھی جو میری سمجھ میں آیا مَیں نے ترکیب لکھ دی۔ اس کے کچھ دنوں کے بعد میری پیاری امّی حضرت مرزا بشیر احمدؓ سے ملنے گئیں تو انہوں نے کوئی حکایت ان کو سنائی جس کا مطلب یہ تھا کہ دوبارہ وہ چٹنی بنوا کر بھیجو۔ چٹنی کیا چیز ہوتی ہے؟ وہ عجیب پیاری ہستیاں تھیں جن کے لوگوں کے ساتھ پیار کے عجیب انداز تھے۔ میری کچی عمر تھی، اس بات کی اہمیت اس وقت مجھے سمجھ نہ آئی۔ ان دنوں ربوہ میں چاول نہیں مل رہے تھے۔ مَیں نے سوچا کہ جب چاول ملیں گے تو پلاؤ کے ساتھ چٹنی بنا کر بھیجوں گی۔ بہرحال آج کل کرتے تقریباً ایک سال کا عرصہ گزر گیا نہ چاول ملے نہ مَیں نے چٹنی بنا کر بھیجی۔ ایک سال کے بعد ایک دن مَیں نے پلاؤ اور چٹنی بنا کر اپنی چھوٹی بہن امتہ الحمید اور بھائی مجیب الرحمٰن کے ہاتھ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو بھجوائی۔ اس وقت مجھے اس بات کا خیال نہ آیا کہ اتنا اچھا موقعہ تھا ان کو قریب سے دیکھنے اور ان سے بات کرنے کا جو مَیں نے کھو دیا۔ اب سوچتی ہوں کہ مَیں خود کیوں نہ گئی؟ بہرحال جب میری بہن اور بھائی پلاؤ اور چٹنی لیکر گئے۔ گرمیوں کے دن تھے اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے کمرہ میں نیا نیا ائیر کنڈیشنر ان کو ان کے بڑے بیٹے حضرت مرزا مظفر احمد صاحب نے لگوا کر دیا تھا۔ انہوں نے ان کو اندر بلوایا اور بڑے پیار سے ان سے باتیں کیں اور کہا کہ اچھا یہ وہ چٹنی ہے جس کا مَیں ایک سال سے انتظار کر رہا ہوں! ائیر کنڈیشن کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس میں ایک جن ہے جو پھونکیں مار رہا ہے۔

پھر مَیں نے ایک مرتبہ شامی کباب کے ساتھ چٹنی بنا کر بھجوائی۔ واہ رے چٹنی! حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مبشر اولاد قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے جسے پسند کیا اور مجھے خدا تعالیٰ کے فضل سے اس چٹنی کو بنانے کی توفیق دی۔ مَیں اپنی ناسمجھی کی وجہ سے خود تو ان کے پاس نہ جا سکی لیکن اس پیارے وجود نے میرے لئے دعا تو ضرور کی ہوگی۔ الحمدللہ۔ جب لاہور کالج فار ویمن میں پڑھ رہی تھی تو ایک مرتبہ میرے پیارے ابا جان (حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب سابق پرنسپل جامعہ احمدیہ اور مفتی سلسلہ عالیہ احمدیہ) لاہور آئے اور مجھے لے کر ڈیوس روڈ لاہور میں ایک کوٹھی میں جہاں کہ حضرت مرزا بشیر احمدؓ ان دنوں آئے ہوئے تھے لیکر گئے۔ مَیں نے ان کو سلام کیا اور بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ مَیں پاس کھڑی رہی وہ کافی دیر تک پیارے ابا جان سے باتیں کرتے رہے۔ مَیں طبیعت میں حجاب کی وجہ سے ان سے یہ تعارف بھی نہ کروا سکی کہ مَیں وہی ہوں جو آپ کو چٹنی بنا کر بھجوایا کرتی تھی۔

کئی مرتبہ قصر خلافت جانے کا موقعہ ملا۔ حضرت مصلح موعودؓ بالکونی میں کھڑے ہوتے تھے۔ ہم سب اس نورانی وجود کا دیدار کرتے تھے۔ جب ان کی وفات ہوئی اس وقت مَیں لاہور پنجاب یونیورسٹی میں پڑھ رہی تھی۔ وفات کی خبر مَیں نے ریڈیو پر سنی، اسی روز مَیں ایک اور احمدی لیڈی ڈاکٹر کے ساتھ بس کے ذریعہ ربوہ گئی۔ شام کا وقت تھا جب اڈّے سے گھر جا رہی تھی تو اعلان ہو رہا تھا کہ حضرت مرزا ناصر احمد رحمہ اللہ خلیفۃ المسیح منتخب ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے بیعت میں شامل ہونے کی توفیق دی۔ حضرت مصلح موعودؓ کے آخری دیدار کی توفیق ملی۔ چہرہ نور ہی نور تھا۔ جیسا کہ مَیں پہلے لکھ چکی ہوں کہ ہم واقفین کے محلّہ میں رہتے تھے۔ کبھی کوئی مبلغ جا رہا ہوتا اور کوئی آ رہا ہوتا تھا۔ ریلوے اسٹیشن پر جانے والوں کو الوداع کرنے لوگ جاتے تھے اور دعاؤں سے رخصت کرتے تھے عجیب نظارہ ہوتا تھا اور جب کسی مبلغ نے آنا ہوتا تھا تو استقبال کیلئے اسٹیشن پر جاتے تھے اور اس دن خوشی کا سماں ہوتا تھا۔ ربوہ کی ایک اور بڑی رونق جلسہ سالانہ ہوتا تھا۔ سارا سال انتظار رہتا تھا۔ جلسہ کے دنوں میں گھر کا سارا سامان اسٹور میں چلا جاتا تھا اور کمروں میں کسیر بچھا دی جاتی تھی۔ بہت مہمان ٹھہرتے تھے۔ صحن میں Tent لگتا تھا۔ پیارے ابا جان اپنا بستر لیکر اپنے دفتر چلے جاتے تھے۔ جلسہ سالانہ کی ڈیوٹیاں دینے کا بھی اپنا مزہ تھا۔ ہمارا گھر زنانہ جلسہ گاہ کے بالکل سامنے تھا۔ جلسہ کی تقاریر ہم اپنے صحن میں بیٹھے بھی سن سکتے تھے۔ جلسہ سالانہ کے دنوں میں ہر طرف چہل پہل ہوتی تھی۔ جلسہ سالانہ پر لاؤڈ اسپیکر پر تقاریر بہت پُر اثر ہوتی تھیں۔ ربوہ میں مشنری کالج میں مختلف ممالک سے آئے ہوئے سٹوڈنٹ پڑھتے تھے۔ وہ جب اکٹھے گلیوں میں چلتے پھرتے نظر آتے تھے تو عجیب سماں ہوتا تھا۔

جب مَیں میٹرک میں تھی تو میرا سب سے چھوٹا بھائی اطہر بشیر پیدا ہوا تھا۔ جب مَیں اسکول میں پڑھ رہی تھی چھٹیاں بھی زیادہ تر ربوہ میں ہی گزرتی تھیں کیونکہ ہمارے اکثر رشتہ دار ربوہ میں ہی رہتے تھے۔ دوسرے واقفین زندگی کے مالی حالات ایسے نہ تھے کہ سیر و تفریح کیلئے ادھر اُدھر آ جا سکیں۔ چند بار لاہور کے چکر لگ گئے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ ہم سب لاہور گئے تو ان دنوں شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت لاہور اپنی فیملی کے ساتھ کہیں گئے ہوئے تھے۔ ہم ان کے گھر جو کہ ٹیمپل روڈ پر واقع تھا ٹھہرے تھے۔ ان کے گھر اس کمرہ کو دیکھنے اور اس میں رہنے کا موقع ملا جہاں حضرت مصلح الموعودؓ کو مصلح موعود ہونے کی بشارت ملی تھی۔ الحمدللہ۔

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ بچھڑے ہوؤں کو ملانے والا۔ زندگی میں کئی بار اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا مشاہدہ ہوا۔ ایک مشاہدہ اس صفت کا بڑا دلچسپ ہے گو اس کا تعلق میری پیاری امی امۃ الرشید شوکت سے ہے لیکن ایسے ہے گویا اس صفت کا مشاہدہ خدا تعالیٰ نے میرے لئے کروایا تھا۔ میری پیاری امی نے بتایا کہ جب وہ پانچویں کلاس میں پڑھتی تھیں گورداسپور میں رہتی تھیں۔ ان کے ابا منشی چراغ دین اسکول ٹیچر تھے ان کی ایک کلاس فیلو تھی جس کا نام انور تھا۔ ان کے ابا انسپکٹر اسکول تھے۔ دونوں کی آپس میں دوستی تھی ایک دوسرے کے گھر آنا جانا تھا۔ پانچویں کے بعد انور کے ابا کی ٹرانسفر کہیں اور ہوگئی اس کے بعد ان سے کوئی رابطہ نہ رہا۔ زندگی گزرتی رہی، شادی ہوگئی، بچے پیدا ہوئے، انڈیا پاکستان کی پارٹیشن ہوگئی اور ربوہ جا کر وہاں آباد ہوگئے۔ تقریباً 25/30 سال کا عرصہ گزر گیا۔ میری خالہ جان امۃ المنان قمر ربوہ سے لاہور کالج فار ویمن میں F.Sc. کرنے گئیں۔ ایک مرتبہ جب وہ گھر واپس آئیں تو اپنے کالج کی کچھ پروفیسرز کی گروپ فوٹو لائیں۔ میری امی نے جب وہ فوٹو دیکھی تو ایک پروفیسر کی تصویر کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو انور لگتی ہے اور میری خالہ جان سے پوچھا کہ ان کا نام کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان کو مسز ریاض قدیر کہتے ہیں نام مجھے معلوم نہیں۔ دوسری مرتبہ جب وہ لاہور سے آئیں تو انہوں نے بتایا کہ ان کا نام انور ہے۔ خیر بات آئی گئی ہوگئی۔ اس کے بعد ایک مرتبہ میری امی لاہور گئیں تو چوبرجی میں اپنی ایک جاننے والی کے گھر

ٹھہریں۔ وہاں باتوں باتوں میں ڈاکٹر ریاض قدیر کا ذکر آیا (جب حضرت المصلح الموعودؓ پر چاقو کا حملہ ہوا تھا اس وقت ڈاکٹر ریاض قدیر ان کے علاج کیلئے ربوہ آئے تھے) وہ کہنے لگیں کہ وہ اسلامیہ پارک میں رہتے ہیں۔ مَیں آپ کو ان کے گھر لے جاتی ہوں لیکن امّی سوچ رہی تھی کہ ہوسکتا ہے کہ وہ وہی انور نہ ہو اس لئے ہچکچا رہی تھیں۔ انہوں نے کہا جا کر دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔ خیر جب یہ دونوں ان کے گھر پہنچیں وہ لوگ اس تین منزلہ نئی کوٹھی میں منتقل ہوئے ہی تھے تو ان کو دیکھ کر میری امّی نے کہا کہ یہ وہ نہیں۔ ادھر خدا کا کرنا کیا ہوا کہ جب مسز ریاض قدیر گھر میں شفٹ ہورہی تھیں تو سامان میں سے پرانی تصاویر نکلیں جن میں ایک تصویر میں میری امی ان کے ساتھ کھڑی تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ جب مَیں نے یہ تصویر دیکھی تو مَیں نے سوچا نہ جانے شوکت (میری امّی) کہاں ہوگی اور آج آپ آگئیں ہیں۔ انہوں نے میری امی کو پہچان لیا تھا۔ خوب تپاک سے ملیں، پرانی یادیں تازہ کیں۔ حال احوال پوچھا، ان دونوں کی ایک سہیلی شکنتلا بھی تھی اس کا بھی ذکر آیا۔ خدا کا کرنا کیا ہوا کہ اس ملاقات کے کچھ دیر بعد میری امّی قادیان دارالامان گئیں۔ جب وہ امرتسر میں گاڑی میں بیٹھی ہوئیں تھیں تو میری امّی نے بتایا کہ میرے دل میں خیال آیا کہ نہ جانے شکنتلا کہاں ہوگی؟ انہوں نے بتایا کہ جب مَیں نے نظر اوپر اٹھائی تو گاڑی میں سامنے والی سیٹ پر شکنتلا بیٹھی تھی دونوں پانچویں کلاس کی سہیلیاں اس اچانک ملاقات پر بہت حیرت مند اور خوش ہوئیں۔ کیا زبردست جلوہ ہے پیارے خدا تعالیٰ کی صفت بچھڑے ہوؤں کو ملانے والے کا۔ الحمدللہ

میری امّی کی مسز انور ریاض قدیر سے یہ ملاقات جب مَیں نے میٹرک کیا اس سے کچھ پہلے ہی ہوئی تھی۔ جب مَیں لاہور کالج فار ویمن میں داخل ہوئی تو مَیں نے ہوسٹل میں رہنا تھا۔ ہمارا کوئی رشتہ دار لاہور نہیں رہتا تھا۔ مجھے کالج میں داخلہ تو مل گیا تھا لیکن ان دنوں ہوسٹل Renovate ہورہا تھا جو سٹوڈنٹ پہلے ہوسٹل میں رہتے تھے ان کو بھی کالج کے کچھ کمروں میں رکھا ہوا تھا۔ نئے کسی سٹوڈنٹ کو ابھی نہیں لے رہے تھے۔ مجھے میرے پیارے ابّا جان لاہور چھوڑنے آئے تھے۔ جب کالج والوں نے بتایا کہ فی الحال کوئی اور سٹوڈنٹ کو ہوسٹل میں جگہ نہیں مل سکتی تو بڑی پریشانی ہوئی۔ پیارے ابّا جان مجھے لیکر مسز ریاض قدیر کے گھر گئے اور صورتحال سے آگاہ کیا اور ان سے کہا کہ کالج والوں سے سفارش کر کے جگہ دلوا دیں۔ انہوں نے کہا کہ واقعی ہوسٹل تیار ہونے تک وہ کسی اور سٹوڈنٹ کو نہیں لے رہے۔ انہوں نے نہایت اصرار سے کہا کہ آپ اس کو میرے پاس چھوڑ دیں میری سہیلی کی بیٹی ہے، جب ہوسٹل بن جائے گا پھر اس میں چلی جائے گی۔ مسز ریاض قدیر کے اپنے آٹھ بچے تھے۔ چار بیٹیاں اور چار بیٹے سب سے بڑی بیٹی عارفہ مریم لاہور کالج فار ویمن میں دوسرے سال میں پڑھتی تھی۔ ابّا جان بڑے پریشان تھے کہ کیا کیا جائے لیکن مسز ریاض قدیر نے اس قدر اصرار کیا کہ ابّا جان مجھے چھوڑ گئے۔ دوسری منزل پر عارفہ مریم کا اپنا کمرہ تھا جس میں دو پلنگ تھے۔ ایک پر مَیں سوتی تھی اور دوسرے پر عارفہ مریم، Attached Bathroom تھا اس لئے کسی قسم کی کوئی دقت نہ تھی۔ میرے ابّا جان جب گھر گئے تو میری امّی بہت پریشان ہوئیں۔ چند دن بعد میری امّی ملنے آئیں تو ان کو تسلی ہوگئی۔ مجھے تقریباً دو ماہ ان کے گھر رہنا پڑا۔ مسز ریاض قدیر نے جس قدر پیار محبت کا سلوک کیا مَیں کبھی بھول نہیں سکتی۔ عارفہ مریم اور تینوں چھوٹی بہنیں بہت پیاری طبیعت کی مالک تھیں۔ سامنے کی کوٹھی میں مسز ریاض قدیر کے بھائی جسٹس نذیر احمد محمود رہتے تھے۔ ان کی ماشاءاللہ سات بیٹیاں تھیں۔ وہ سب بھی بہت پیاری طبیعت کی مالک تھیں، ان سب کی بہت رونق تھی۔ عارفہ مریم اور اس کی کچھ کزن سائیکل پر کالج آتی جاتی تھیں۔ مسز ریاض قدیر جو کہ لاہور کالج فار ویمن میں انگلش کی پروفیسر تھیں کار پر کالج جاتی تھیں۔ کچھ دن تو مَیں ان کے ساتھ ان کی کار پر آئی گئی لیکن میرے دل پر بوجھ تھا کہ میری وجہ سے ان کو کالج جلدی جانا پڑتا ہے لیکن وہاں بھی خدا تعالیٰ نے اپنے فضل کا عجیب جلوہ دکھایا۔ ہوا یوں کہ چند دن بعد ہی ایک Electrical Engineer ٹرانسفر ہوکر لاہور آئے اور ڈاکٹر ریاض قدیر کی کوٹھی کے بالکل ساتھ والی کوٹھی میں ٹھہرے۔ ان کی بڑی بیٹی شگفتہ ہماری کلاس میں داخل ہوئی۔ اس کو کار کالج چھوڑنے اور واپس گھر لانے جاتی۔ مجھے بھی شگفتہ کے ساتھ کار پر آنے جانے کا خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے مفت انتظام کردیا۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔ بعد میں شگفتہ کے ابّا کی پھر کہیں اور ٹرانسفر ہوگئی اور شگفتہ بھی ہوسٹل میں آگئی اور میری روم میٹ ہوگئی اور میری بہت اچھی سہیلی بن گئی۔

کالج میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بہت اچھی اچھی ٹیچرز تھیں۔ خصوصاً دو بہنیں جو کہ پارسی تھیں۔ ایک کا نام پریم مدان تھا وہ باٹنی پڑھاتی تھیں دوسری کا نام اینلا مدان تھا وہ ہمیں Zoology پڑھاتی تھیں۔ دونوں بہنیں اس طرح پڑھاتی تھیں کہ کلاس میں ہی سبق یاد ہوجاتا تھا۔ بہت پیاری طبیعت کی مالک تھیں۔ جب مَیں پنجاب یونیورسٹی میں M.Sc. Botany کررہی تھی تو بعض کتابیں کورس کی بہت مہنگی تھیں۔ پریم مدان نے وہ کتابیں لائبریری سے اپنے نام

پر لے کر مجھے دی ہوئی تھیں کیونکہ مَیں تو ان کو خرید نہیں سکتی تھی۔ پریم مدان کہا کرتی تھیں ہماری تو زندگی ہی پڑھنا اور پڑھانا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی میں M.Sc Botany میں ہم 24 سٹوڈنٹ تھے۔ بارہ لڑکے اور بارہ لڑکیاں۔ ان میں سے تین لڑکیاں برقعہ پہنتی تھیں۔ ایک مَیں تھی اور ایک شیعہ لڑکی سرتاج بانو ملتان کی رہنے والی تھی اور ایک سنی لڑکی بلقیس بانو۔ ہم تینوں پہلی لائن میں بیٹھتیں تھیں۔ ہمارے Professor Lodhi۔Head of the Department تھے وہ ہمیں Genetics پڑھاتے تھے۔ وہ ہماری بہت عزت کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے میرے Genetics کے امتحان میں اکثر سب سے زیادہ نمبر آتے تھے جب Test ہوتا تو کوئی لڑکے کسی اور لڑکی کو کہتے کہ امتل (مجھے کلاس میں لوگ امتل کہتے تھے) سے پوچھو کہ اس سوال کا کیا جواب ہے۔ دوسال نہ مَیں نے کسی لڑکے سے بات کی نہ انہوں نے کی۔ دوسال کے آخر میں ہر سٹوڈنٹ نے ایک Presentation کرنی تھی جس کے بعد سوال وجواب ہوتے تھے۔ سارے سٹوڈنٹ اور پروفیسرز بیٹھے ہوتے تھے۔ مجھے جو Topic دیا گیا وہ Touchy سا تھا Topic تھا Sexual Reproduction in Algae لڑکیاں مجھے آآ کر کہہ رہی تھیں کہ امتل تم کیا تیاری کر رہی ہو۔ لڑکے تو لائبریری جا جا کر تیاری کر رہے ہیں تمہیں سوال کرنے کیلئے۔ وہ کہتے ہیں اس نے دوسال ہمارے ساتھ بات نہیں کی آج ہم نے بدلہ لینا ہے۔ مَیں Presentation کے لئے کھڑی تھی سامنے سارے سٹوڈنٹ اور پروفیسرز بیٹھے تھے۔ Presentation جب ختم ہوئی تو سٹوڈنٹ کی طرف سے سوالات کی بوچھاڑ ہوگئی۔ جب کوئی ایسا ویسا سوال ہوتا تو پروفیسر لودھی فوراً اس کو Take Over کر لیتے تھے۔ عجیب پیارے وجود تھے۔ ابھی پچھلے دنوں میری ملاقات عرصہ دراز کے بعد حکیم فضل الرحمٰن صاحب کی بہو جن کا نام حمیدہ ہے سے ہوئی۔ جب مَیں لاہور پڑھ رہی تھی تو وہ لوگ Queens Rd لاہور میں رہتے تھے۔ مَیں کبھی کبھی ان کے گھر جایا کرتی تھی۔ خالہ حمیدہ نے مجھے بتایا کہ پھر ہم ماڈل ٹاؤن لاہور چلے گئے تھے۔ ہمارے ہمسایہ میں تمہارے پروفیسر لودھی صاحب رہتے تھے۔ جب ان کو علم ہوا کہ ہم احمدی ہیں تو تمہارا ذکر کرتے تھے۔

جب مَیں M.Sc. کے دوسرے سال میں تھی تو میرا نکاح ہوگیا۔ اس وقت میرے میاں کریم (کریم اللہ زیروی) امریکہ میں Louisville Ky. میں Ph.D کر رہے تھے۔ میرا ابھی M.Sc. کا نتیجہ بھی نہیں نکلا تھا کہ میری شادی ہوگئی۔ دونوں طرفین واقف زندگی تھے۔ شادی نہایت سادگی سے ہوئی لیکن کئی برکتیں شامل حال تھیں۔ نکاح کی جو انگوٹھی تھی وہ میری پیاری امّی جان ایک روز پہلے حضرت نواب مبارکہ بیگمؓ کو دعا کیلئے دے آئی تھیں۔ نکاح کے بعد جو چھوٹی سی تقریب ہوئی اس میں حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ اور حضرت نواب امتہ الحفیظ بیگمؓ ہمارے غریب خانہ پر تشریف لائیں اور مجھے انگوٹھی پہنائی۔ الحمدللہ، رخصتانہ کی تقریب میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمۃ اللہ' سلسلہ کے بزرگ اور خاندان مسیح الموعود علیہ السلام کی خواتین مبارکہ تشریف لائیں اور ہمارے گھر سے سسرال کے گھر جانے کیلئے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمۃ اللہ نے اپنی کار بھجوائی جس پر بیٹھ کر مَیں گئی۔ الحمدللہ۔

میرے میاں کریم تو شادی کے وقت امریکہ میں ہی تھے۔ رخصتانہ کے دو روز بعد مَیں نے امریکہ جانا تھا۔ نہ مَیں نے کریم کو دیکھا ہوا تھا نہ کریم نے مجھے صرف تصویر ہی دیکھی تھی۔ پانچ ماہ پہلے نکاح ہو چکا تھا لیکن کوئی خط وکتابت نہیں تھی۔ ایک تو دو ہفتہ پہلے ہی فائنل امتحان دیا تھا پھر پاسپورٹ بنوانے اور شادی کی دوڑ بھاگ اور اب اتنا لمبا سفر کرنا تھا وہ بھی اکیلے۔ کیا ہوگا کیا نہیں ہوگا کچھ علم نہ تھا۔ شادی کے دو روز بعد ربوہ سے لاہور گاڑی پر گئے وہاں سے P.I.A. کے ذریعہ کراچی پہنچی۔ پیارے ابا جان میری رخصتی کے فوراً بعد بذریعہ ٹرین کراچی چلے گئے تا کہ جب مَیں لاہور سے کراچی پہنچوں تو وہ وہاں ہوں۔ کراچی میں ایک رات ٹھہرنے کے بعد مَیں نے پہلے کراچی سے لندن جانا تھا۔ جہاز کا سفر پہلی مرتبہ کرنا تھا راستہ میں مجھے Air Sickness ہوگئی۔ بہت طبیعت خراب ہوگئی، لندن میں میرا تقریباً پانچ گھنٹے کا Stay تھا۔ پیارے ابا جان نے لندن میں مولوی عبدالکریم صاحب جو کہ اپنی فیملی کے ساتھ لندن میں رہتے تھے کو مجھے ائیر پورٹ پر Receive کرنے کیلئے کہا ہوا تھا وہ اور ان کی بیگم (خالہ امینہ) ائیر پورٹ پر موجود تھے۔ وہ مجھے اپنے گھر لیکر گئے، ڈاکٹر عبدالسلام کے گھر بھی ان کی بیگم خالہ امتہ الحفیظ سے ملوانے بھی لیکر گئے۔ وہ اس وقت صدر لجنہ یو۔ کے تھیں اور میری پیاری امّی کی کلاس فیلو اور سہیلی تھیں۔ غرض وقت گزرنے کا پتہ بھی نہ چلا۔ ایک تو مجھے تھکاوٹ بہت ہوگئی تھی دوسرے Air Sickness کی وجہ سے طبیعت خراب تھی۔ کچھ کھایا نہیں جا رہا تھا۔ خالہ امینہ اور ان کی بیٹیاں مجھے کہنے لگیں تم تیار ہو جاؤ اب تم نے امریکہ جانا ہے لیکن میرے میں تو کوئی ہمت نہ تھی۔ وہی کپڑے پہنے رکھے جو کہ مَیں پاکستان سے پہن کر آئی تھی۔ وہ مجھے دوبارہ ائیر پورٹ پر چھوڑ گئے لندن سے امریکہ مَیں نے British Airways سے جانا تھا۔ ان دنوں صرف ایک اٹیچی کیس لے جا سکتے تھے اس لئے جو کچھ تھا اسی ایک

اٹیچی کیس میں تھا اور اٹیچی کیس نے لندن ائیر پورٹ سے .P.I.A سے British Airways میں ٹرانسفر ہونا تھا۔ جہاز میں جو سیٹ مجھے ملی وہ درمیان والی تھی، میرے ارد گرد دو مرد تھے وہ سگار Smoke کر رہے تھے اور شراب پی رہے تھے۔ ایک تو Air Sickness دوسرے دھوئیں اور شراب کی بو کی وجہ سے میرا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ خدا خدا کر کے Kennedy Airport امریکہ میں جہاز اترا۔ جب مَیں اندر پہنچی تو مجھے کریم کی طرف سے ایک چٹ ملی جس سے مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ باہر آئے ہوئے ہیں۔ اوپر بالکونی میں سے کریم کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ مَیں آ گئی ہوں کیونکہ برقعہ میں مَیں اکیلی ہی تھی۔ جب مَیں Immigration کی Formalities کیلئے گئی تو Medical Certificate مانگا گیا وہ میرے اٹیچی کیس میں تھا۔ مجھے وہاں لے جایا گیا جہاں سامان نے آنا تھا۔ وہاں گئی تو میرا اٹیچی کیس نہیں آیا ہوا تھا۔ سخت پریشانی ہوئی وہ کہتے تھے جب تک Medical Clearance نہ ہو ائیر پورٹ سے باہر نہیں نکل سکتی۔ کبھی ادھر لے جاتے کبھی اُدھر۔ اسی طرح 4/5 گھنٹے گزر گئے، میرا ویسے بھی بُرا حال تھا دو تین دن سے کچھ کھایا پیا نہ گیا تھا اوپر سے سفر کے حالات کی وجہ سے نیند بھی نہ آئی تھی اوپر سے یہ پریشانی۔

جب میری شادی ہوئی (1966) اس وقت کریم .Louisville Ky میں Ph.D کر رہے تھے وہاں اکیلے رہتے تھے۔ 1966ء میں امریکہ میں احمدی بھی تھوڑے تھے۔ میرے پیارے ابا جان کے ایک واقف کار ڈاکٹر بشارت منیر صاحب اپنی فیملی کے ساتھ Athens Ohio میں رہتے تھے میرے پیارے ابّا جان نے ان کو لکھا تھا کہ وہ کریم کے ساتھ نیو یارک جائیں اور پہلے مجھے اپنے گھر لے کر جائیں اور وہاں سے رخصت کر دیں۔ چنانچہ کریم Louisville سے نیو یارک پہنچ گئے، ادھر سے ڈاکٹر بشارت منیر صاحب اپنی کار میں ائیر پورٹ پہنچ گئے۔ پروگرام یہ تھا کہ جب مَیں آؤں تو مجھے اور کریم کو اپنی کار پر پہلے اپنے گھر لے کر جائیں گے لیکن کیونکہ میرے میڈیکل کے ٹیسٹ میرے اٹیچی کیس میں تھے جو نہیں آیا تھا اس لئے Air Port سے Clearance نہیں مل سکتی تھی۔ انہوں نے کہا کہ پہلے ہم اسے Hospital لے کر جائیں گے۔ Medical Tests ہوں گے تو پھر ائیر پورٹ سے Clearance ملے گی۔ چنانچہ مجھے ایمبولینس پر Long Island میں کسی ہوسپٹل لے جایا گیا۔ اس وقت رات کے 11/12 بج چکے تھے۔ اس لئے اس وقت Tests نہیں ہو سکتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ رات یہیں رہنا پڑے گا۔ صبح ٹیسٹ ہوں گے۔ کریم اور ڈاکٹر بشارت منیر مجھے وہاں چھوڑ کر کسی ہوٹل میں رات گزارنے کیلئے گئے۔ اس وقت تک مَیں نے اپنا چہرہ پورا ننگا نہیں کیا تھا۔ ساری رات نرسیں اپنی Routine کے مطابق کبھی Blood pressure کبھی Temperature وغیرہ لیتی رہیں۔ مَیں حیران تھی کہ بیمار نہ ہونے کے باوجود ہوسپٹل میں تھی۔ صبح ہوئی مَیں باتھ روم گئی۔ اس وقت ابھی مَیں نے کنگھی بھی نہ کی تھی، بال بکھرے ہوئے تھے، ہوسپٹل کا دھاری دار پاجامہ اور ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ جب باہر نکلی تو سامنے کریم کھڑے تھے۔ یہ تھا کریم کا اپنی دلہن کو پہلی مرتبہ دیکھنے کا نظارہ! خیر نرسیں مجھے Wheel Chair پر بٹھا کر Tests کروانے گئیں۔ Clearance کے بعد دوبارہ Air Port لے جایا گیا تو شہر میں جانے کی اجازت ملی۔ میرا سامان ابھی تک نہ پہنچا تھا بڑی پریشانی تھی کیونکہ میرے پاس وہی جوڑا تھا جو کہ مَیں نے پہنا ہوا تھا۔ بارش ہو رہی تھی، کبھی ادھر بھیجتے کبھی اُدھر۔ اسی طرح پچھلا پہر ہو گیا لیکن خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میرا اٹیچی کیس لندن سے پہنچ گیا۔ الحمد للہ۔

ڈاکٹر بشارت منیر نے ساری رات کار ڈرائیو کی، صبح کے قریب ایک Rest Stop پر رُکے۔ وہاں سے کریم Kentucky Fried Chicken لائے اور تقریباً تین دن کے بعد مَیں نے ایک Drum Stick کھائی جو کہ مجھے اچھی لگی۔ جب ہم ان کے گھر پہنچے تو ان کی بیگم خالہ منّو نے ہمارا استقبال کیا۔ مَیں ناشتہ کے بعد سو گئی، جب اٹھی تو لنچ کے بعد نہا کر تیار ہوئی، کچھ تصویریں کھینچی گئیں۔ پھر وہ ہمیں Columbus Ohio ائیر پورٹ پر چھوڑنے آئے۔ وہاں سے جہاز نے پہلے Cincinnati Ohio رُکنا تھا۔ جب وہاں رُکا تو کہا گیا کہ جہاز میں کچھ خرابی ہو گئی ہے اس لئے سب مسافروں کو ائیر پورٹ پر اُتار دیا گیا۔ بڑی پریشانی ہوئی۔ شکر ہے کہ کسی اور جہاز پر سیٹ مل گئی اور ہم Louisville Ky پہنچے۔ ٹیکسی لی گھر پہنچے۔ تقریباً آدھی رات کا وقت تھا۔ کریم نے ایک مکان میں دو کمرے کرائے پر لئے ہوئے تھے وہاں بندہ نہ پرندہ! Louisville Ky میں اس وقت ہم تین سال رہے (1966-1969) وہ بھی ایک لمبی کہانی ہے۔

جب مَیں لاہور میں ایم۔ ایس سی۔ کر رہی تھی تو ہمارا ٹرپ لنڈی کوتل سیر کیلئے گیا مَیں نہ جا سکی۔ ایک تو لڑکے لڑکیاں اکٹھی جا رہی تھیں اس لئے گھر سے اجازت نہ ملی، دوسرے جانے کیلئے رقم نہ تھی۔ اس وقت دل میں خیال آیا کہ لنڈی کوتل دیکھنے کا موقع کھو گیا لیکن انسان کو کیا پتہ ہوتا ہے کہ آگے خدا تعالیٰ نے قسمت میں کیا رکھا ہے؟ اس کے بعد لنڈی کوتل تو کیا (تین سال پشاور میں رہے) اللہ تعالیٰ

نے اپنے فضل وکرم سے دنیا کے مختلف ملکوں اور شہروں میں رہنے کی توفیق دی، وہاں کے تاریخی مقامات اور سیرگاہوں کو دیکھنے، قدرت کے حسین نظارے دیکھنے، تفریحی مقامات کی سیر کرنے کی توفیق دی۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔ دنیا کی ہر نعمت خدا تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے عطا کی اور سب سے بڑھ کر روحانی مائدہ M.T.A International کے روپ میں عطا کیا جس پر طرح طرح کے دلچسپ پروگرام آتے ہیں۔ ماشاء اللہ۔ حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ایمان افروز خطابات تازہ بتازہ سننے کو ملتے ہیں۔ جہاں بھی حضور جائیں وہاں سے Live پروگرام آتا ہے اور ہم جہاں بھی ہوں ایسے ہی لگتا ہے کہ ہم بھی اسی محفل میں بیٹھے ہیں۔ T.V Screen کے اُس طرف حضور اور باقی سامعین ہوتے ہیں اور اس طرف ہم حالانکہ درمیان میں ہزاروں میل کا فاصلہ ہوتا ہے۔ کریم ہر سال جلسہ سالانہ یو۔کے جاتے ہیں اور جلسہ میں بیٹھے ہمیں نظر آجاتے ہیں۔ جب حضرت مرزا طاہر احمد رحمۃ اللہ نے وفات پائی تو کریم لندن گئے تھے مَیں نہیں گئی تھی لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ اُدھر کریم حضور کے چہرے کا آخری دیدار کر رہے تھے اسی وقت مَیں امریکہ میں بیٹھی حضور کے چہرے کا آخری دیدار کر رہی تھی۔ اللہ تیری شان! تو نے کیا کیا نعمتیں عطا کی ہیں۔

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ

اور تو اور حضرت مرزا طاہر احمد رحمۃ اللہ کا بھی تقریباً ہر روز دیدار ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی لگتا ہے جیسے زندہ ہی ہوں۔ جب وہ لندن میں تھے تو ہم ایسے ہی ان کو T.V. پر دیکھتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے دو خلفاء گویا اکٹھے کر دیئے ہیں۔ ایک زندہ دوسرا ویڈیو ٹیپ کی صورت میں گو زندہ ہی لگتے ہیں۔ جلوے کا انداز نیا۔ پہلے زمانوں میں اللہ تعالیٰ نے بعض مرتبہ ایک ہی وقت میں دو نبی مقرر کئے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام۔ غرض M.T.A International کی عظیم نعمت کا ہم جس قدر بھی شکر ادا کریں کم ہے۔ الحمدللہ Infinity time الحمدللہ۔

1989ء کے جماعت احمدیہ کے قیام کے صد سالہ جوبلی کے موقع پر یو کے کے جلسہ سالانہ میں پوری فیملی کو شامل ہونے کی توفیق ملی۔ اس کے بعد 1995ء تک ہر سال جلسہ سالانہ یو کے میں شمولیت کی توفیق اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے عطا کی۔ پہلی اور دوسری International بیعت کے وقت میں اور کریم یو کے کے جلسہ سالانہ میں تھے۔ الحمدللہ۔ بیعت کے بعد جب میں اور کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لئے گئے تو حضور بہت خوش تھے کہنے لگے بہت اچھا کیا آپ لوگ آ گئے۔ بہت لوگوں کے فون آ رہے ہیں کہ ہمیں پتہ ہوتا تو ہم ضرور آتے پھر کہنے لگے اگر پتہ ہوتا تو نہ جانے کون کون آتا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ یادگاری تصویر، حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو دس سے زیادہ یادگاری تصاویر۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ یادگاری تصویر ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تبرکات، حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا تبرک، حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کا تبرک، حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا تبرک۔ حضرت نواب مبارکہ بیگمؓ، حضرت نواب امۃ الحفیظؓ اور حضرت مریم صدیقہ (چھوٹی آپا) کے تبرکات محفوظ ہیں۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے قادیان دارالامان جانے کی توفیق دی اور اس گھر کو بھی دیکھا جس میں مَیں قادیان دارالامان میں پیدا ہوئی تھی۔ قادیان دارالامان میں پانچ دن کا قیام تھا۔ بہشتی مقبرہ، بیت الدعاء، دیار مسیح کے مقدس مقامات اور قادیان دارالامان کی مقدس بستی دیکھنے کی توفیق ملی۔ جلسہ سالانہ قادیان (1993) میں شمولیت کی توفیق ملی۔

اُس سال پہلی مرتبہ لندن سے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے قادیان کے جلسہ سالانہ کے لئے "Live" خطاب کیا تھا۔ قادیان دارالامان کے سارے سفر میں ایسے تھے جیسے فرشتے مدد کر رہے ہوں۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔ بیت الرحمٰن امریکہ (میری لینڈ) بیت الاسلام ٹورانٹو کینیڈا۔ بیت النور کیلگری کینیڈا کی افتتاحی تقاریب خلیفۃ المسیح کی موجودگی میں شمولیت کی توفیق خدا تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے دی۔ الحمدللہ اب تو کسی اور جگہ جانے کی حسرت نہیں صرف سعودی عرب جانے کی آرزو ہے۔ وہاں تو ہمارے لئے پابندی بھی تھی اور حالات کبھی ایسے نہ تھے کہ مَیں جا سکتی۔ اب تو صحت بہت خراب ہوگئی ہے پچھلے سال میری بہن بشریٰ باری اپنے میاں اور بڑی بیٹی کے ساتھ خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے حج کیلئے مکہ شریف و مدینہ شریف گئی تھی۔ وہاں دونوں مقدس شہروں میں مَیں نے اس سے فون پر باتیں بھی کیں اور آنحضرت ﷺ کو میری طرف سے سلام پہنچانے کا بھی کہا۔ ایک مرتبہ تو عین اس وقت میری اس سے بات ہوئی جب کہ وہ مسجد نبوی میں روضۂ مبارک کی زیارت کیلئے اندر داخل ہو رہی تھی۔ دل کو خوشی ہے کہ کم از کم میری آواز اور سلام تو اس ارض مقدس تک پہنچ گیا ہے

کس طرح تیرا کروں اے ذوالمنن شکروسپاس
وہ زباں لاؤں کہاں سے جس سے ہو یہ کاروبار

☆......☆......☆

پروفیسر عبدالرشید غنی مرحوم کی یاد میں

محمد شریف خان، فلاڈلفیا، امریکہ

مکرم پروفیسر عبدالرشید غنی صاحب مرحوم ہندوستان کے شہر انبالہ میں 16 ستمبر 1934 کو مکرم بابو عبدالغنی صاحب امیر جماعت کے گھر پیدا ہوئے۔ بابو صاحب نے 1908 میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ جبکہ آپ کے نانا حضرت چوہدری سربلند خان صاحب اور نانی حاکم بی بی صاحبہ دونوں صحابی تھے۔ اور انہیں حضرت مرزا شریف احمد اور حضرت بوزینب صاحبہ کی خدمت کی توفیق ملی۔

پارٹیشن کے بعد یہ گھرانہ لودھراں شفٹ ہوگیا۔ جب آپکی عمر چھ سال تھی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا تھا۔ آپ نے میٹرک لودھراں سے، F.Sc اور B.Sc 1956 میں تعلیم الاسلام کالج ربوہ سے کیا اور فزکس میں ڈیمانسٹریٹر کی حیثیت سے کام شروع کردیا۔ آپ اس وقت اپنے نام کے ساتھ "انبالوی" کا لاحقہ استعمال کیا کرتے تھے اور ایف ایس سی کے دوران ہمارے فزکس میں ڈیمانسٹریٹر تھے۔ آپ کے پیار و محبت اور محنت سے سمجھانے کے سادہ انداز کے باعث آپ ہمارے چہیتے استادوں میں سے تھے۔ آپ کی محنت کے باعث ہمیں روشنی کے انعکاس اور انعطاف جیسے دقیق اصول جو میٹرک کے دوران ہمارے سر کے اوپر سے گزر جاتے تھے، کو عملی ثبوت کے ساتھ سمجھنے میں مدد ملی۔ آپ ہر طالب علم کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے اور جب کلاس سے باہر ملاقات ہوتی تو مسکراتے ہوئے چہرے سے سلام اور مزاج پرسی میں پہل کرتے۔ ہم اگر مذاق کرتے تو خوب enjoy کرتے۔ اور احسن پیرائے میں جواب دیتے۔

والد صاحب کی وفات کے بعد اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کے ساتھ مشفقانہ سلوک رہا۔ آپکی زیر نگرانی اور رہبری میں بہن نے بی اے، بی ایڈ کیا اسکی شادی کی جبکہ آپکے دونوں چھوٹے بھائیوں مکرم ڈاکٹر عبدالشکور صاحب اور مکرم ڈاکٹر عبدالرؤف صاحب نے تعلیم الاسلام کالج سے ایف ایس سی کرنے کے بعد ڈاکٹری کی تعلیم مکمل کی اور اب کینیڈا میں settled ہیں۔

مجھے شاگردی اور پھر ساتھ پڑھانے کے عرصے کے دوران رشید صاحب کے ساتھ بار ہا جلسہ ہائے سالانہ کی ڈیوٹی کالج ہال میں ضلع سرگودہا کی جماعتوں کی مہمان نوازی سے لیکر مکانات، معلومات، گوشت وغیرہ میں دینے کا موقعہ ملا۔ آپ ڈیوٹی پر وقت سے دس منٹ پہلے پہنچ جاتے۔ لیٹ آنے والوں کو محبت سے مسکراتے ہوئے سرزنش کرتے۔ ہر کوئی آپ سے ہر قسم کی بات بلا جھجک کر لیتا، کسی بات کا برا نہ مناتے۔

میں 1959 میں پڑھائی کے سلسلے میں لاہور چلا گیا، جب استاد کے طور پر 1963 میں تعلیم الاسلام کالج جوائن کیا تو پروفیسر رشید صاحب پشاور یونیورسٹی سے 1961 میں حساب میں ایم ایس سی کرکے آچکے تھے اور "انبالوی" سے "غنی" بن چکے تھے، آپ کے چہرے پر وہی پُر کیف محبت سے بھری ہوئی کھلتی مسکراہٹ مزید نکھر آئی تھی۔ اب تو اکثر سٹاف روم اور بیالوجی روم میں ملاقات ہونے لگی، colleague ہونے کے ناتے آپ کی وسعتِ قلب اور معمولاتِ زندگی سے مزید آگاہی ہوئی۔

کالج میں پڑھانے کے علاوہ رشید صاحب نے مختلف حیثیتوں وائس پرنسپل سے لیکر کنٹرولر امتحانات، رجسٹرار، نگران لائبریری وغیرہ کے کام خوش اسلوبی سے ادا کئے۔ آپ حسنِ اخلاق کے باعث اساتذہ اور طلباء میں ہر دلعزیز تھے۔ آپ کالج ہاکی کلب کے انچارج تھے۔ یہاں مجھے لطیفہ یاد پڑتا ہے۔ جب ڈاکٹر عبدالسلام لندن میں اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ پیش کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور واپس آئے تو ستم ظریف کالج والوں نے انہیں کالج کی فٹ بال ٹیم کا انچارج بنادیا! میرے خیال میں میتھ، ہاکی اور فٹ بال میں کسی بھی فارمولے سے قدرِ مشترک ڈھونڈی نہیں جاسکتی!

علمی اور قلمی ذوق

کالج میں ریاضی جیسے دقیق مضمون کی تدریس کے علاوہ آپ کا علمی ذوق وسیع تھا، جس کی غمازی آپ کے وہ متعدد مضامین کرتے ہیں جو الفضل میں گاہے بگاہے اسلام اور سائنس کی طرح کے دقیق موضوعات پر چھپتے رہے۔ وراثت کے متعلق اسلامی قوانین

پر کسی اچھی مستند کتاب کی مدت سے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ جس زمانے میں فضل عمر فاؤنڈیشن نے علمی مقالہ جات پر انعام کا اعلان کیا مرحوم رشید صاحب نے اسلام کے وراثتی نظام پر مبسوط مقالہ لکھ کر پیش کیا، اور انعام کے مستحق ٹھہرے۔ یہ مقالہ کتابی شکل میں چھپا اور ملک کے مختلف لاء کالجوں اور جامعات کے نصاب میں ایک عرصے تک شامل رہا۔ اس کے سرسری مطالعہ سے مصنف کی عرق ریز محنت کا پتا چلتا ہے۔ اس میں آپ نے قرآنِ کریم، احادیث اور جماعتی لٹریچر کے گہرے مطالعہ کا نچوڑ پیش کر دیا ہے۔ اس سکیم کے تحت اغلباً تعلیم الاسلام کالج کے سٹاف میں پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب پہلے تھے جنہوں نے اپنے مقالے خلا کی تسخیر پر انعام جیتا تھا۔ رشید صاحب نے بچوں کی تربیت کے سلسلے میں ایک رسالہ "نماز" شائع کیا جس میں نماز سے متعلقہ تمام معلومات یکجا کر دی تھیں۔

جماعتی خدمات

رشید صاحب مرحوم اللہ تعالیٰ کے فضل سے اخلاص کے ساتھ ہر وقت جماعت کی خدمت کے لئے کمربستہ رہتے تھے۔ اور صحیح رنگ میں دین کو دنیا پر مقدم رکھتے تھے۔ باقاعدگی سے نمازِ تہجد کے لئے اٹھتے اور کوشش سے نمازیں با جماعت ادا کرتے، اور بچوں کو بھی نماز کی تلقین کرتے۔ نمازِ فجر کے بعد صحن میں بلند آواز سے تلاوتِ قرآنِ کریم کرتے۔ درود شریف کا ورد کرتے ہوئے اپنے والدین، بچوں اور عزیز و اقارب کے لئے دعائیں کرتے۔ آپکا یہ معمول آخر عمر تک قائم رہا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی سب دعاؤں کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، آمین۔

آپ کی سالہا سال پر پھیلی خدمات جو 1961 سے لیکر 2004 تک مجالس مرکزیہ خدام الاحمدیہ اور انصاراللہ کی تاریخ میں پھیلی ہوئی ہیں، کو دیکھتے ہوئے میں حیران ہوتا ہوں کس طرح ملازمت اور بڑی عیالداری کے ساتھ ان گونا گوں فرائض کے ساتھ ان اہم خدمات سے عہدہ برآ ہوتے ہوں گے۔ آپ ان مجالس کی عاملہ میں بھی رہے۔ قائد مال انصاراللہ اور مجلس افتاء اور قاضی بورڈ کے کافی عرصہ ممبر رہے۔

جب موقعہ ملتا سلسلے کی ہر طرح کی خدمت کے لئے حاضر رہتے۔ رشید صاحب نے میرے خیال میں گھوڑا چھوڑ کبھی تانگے کی سواری بھی نہیں کی ہو گی۔ میں نے تو انہیں کالج میں 36 سال کے دوران سائیکل پر ہی آتے جاتے دیکھا ہے، لیکن آپ کی عقیدت دیکھئے، جن دنوں ربوہ میں گھڑ دوڑ ہوا کرتی تھی، آپکی نگرانی میں قصرِ خلافت سے گھوڑے میدان میں لے جائے جاتے تھے!

1994 میں کالج سے ریٹائر ہونے کے بعد آپکا تقرر ایڈیشنل وکیل المال اول تحریکِ جدید ہوا، اس عہدہ پر آپ کو 2003 تک کام کرنے کی توفیق ملی۔ تحریک جدید اور الفضل کی خریداری کے سلسلے میں آپ نے متعدد جماعتوں کے دورے بھی کئے۔ آپ محنت اور لگن سے کام کرنے کے عادی تھے۔ جس شعبہ میں آپ نے کام کیا وہاں کے کارکنان کے ساتھ تعاون اور خوش خُلقی کی فضا قائم رکھی۔ اور جو بھی خدمت سپرد ہوئی اسے نیک نیت سے ادا کیا۔

اوصافِ حمیدہ

تعلیم الاسلام کالج کے اساتذہ میں سے ویسے تو ایک سے ایک بڑھ کر تھا، مگر رشید صاحب اپنے شاگردوں کے ساتھ خاص منفرد انداز کی شفقت سے پیش آتے۔ ہوسٹل میں سالانہ فنکشن بڑی تیاریوں اور شان سے منایا جاتا تھا۔ کالج کے طلباء اپنے اساتذہ سے شکوے شکایتیں اس طرح اشاروں کنایوں میں کرتے کہ حاضرین اور متعلقہ استاد بے ضرر قسم کے مذاق کو بہت انجوائے کرتے اور محفل کشتِ زعفران بن جاتی۔ قدرتی طور پر رشید صاحب کی آواز کا زیروبم بات کرنے کے دوران بدلتا رہتا تھا۔ اسی قسم کی ایک محفل میں آپ کے ایک ستم ظریف شاگرد نے ''بوجھو تو جانے'' کے سلسلے میں مندرجہ ذیل شعر کے دوسرے حصے کو آواز کے بدلتے ہوئے زیروبم سے پڑھا:

> اس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک
> شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو

محفل تو کیا کشتِ زعفران بنا تھی، رشید صاحب نے قہقہہ لگاتے ہوئے پڑھنے والے کو آگے بڑھ کر گلے لگا لیا!

آپ کو اپنے شاگردوں سے ایک طرح کی محبت ہو جاتی تھی۔ بعض اوقات گھنٹی بج جانے کے بعد ہاتھ میں رجسٹر پکڑے ہوئے ہوسٹل کی طرف جاتے لڑکوں کو کہتے فلاں کمرے میں فلاں لڑکے کو جا کر پیغام دے دو کہ اسکی میتھ کی کلاس شروع ہو گئی ہے!

میں انکے وائس پرنسپل کے کمرے میں اکثر چلا جاتا۔ مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہتیں۔ شادی کو آواز دیتے، اپنے لئے چائے کا آرڈر دیتے، میں چائے نہیں پیتا تھا میرے لئے پکوڑے منگواتے۔ یہی مہمان نوازی گھر میں بھی چلتی کئی بار گھر جانے کا اتفاق ہوا ہمیشہ خندہ رُو اور مہمان نواز پایا۔ شادی اور دوسرے کارکنان سے ہلکا پھلکا مذاق چلتا رہتا، اکثر انہیں چائے پلواتے۔ میں نے کسی طالب علم، کارکن یا رفیق کار کو آپکی شکایت کرتے نہیں سنا۔ مختلف الطبع لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے، بڑا امتحان ہوتا ہے کہ ہر ایک کے ساتھ یکساں مزاج سے ملا جائے، مگر رشید صاحب بڑے سکون اور

اطمینان سے ہر ایک کو خندہ پیشانی سے ملتے۔ نہ کبھی کسی سے شکوہ، شکایت، لڑائی نہ جھگڑا، ہمیشہ آشتی و اطمینان کا سلوک روا رکھا۔

کالج کے nationalized ہونے کے بعد حالات یکسر بدل گئے تھے، اس پیار اور خلوص سے عاری ماحول میں رشید مرحوم جیسے مخلص چہرے احمدی طلباء کے لئے سہارا بنے رہے۔ جنہوں نے اس متعصب ماحول میں طلباء کے جائز حقوق کے لئے پرنسپل سے رابطہ قائم رکھا اور حکمت سے طلباء کی پشت پناہی کی۔ اپنے کیا غیر بھی مرحوم کے اس اخلاص کے قائل تھے۔

گھر میں ہدایت تھی کہ نوکروں سے شفقت سے سلوک کیا جائے، ان کے کھانے پینے کا خیال کرنے کا کہتے، اگر کوئی چوری کرتا، اسے شفقت کے ساتھ معاف کر دیا جاتا۔

شادی اور اولاد

آپ کی اہلیہ محترمہ امتہ السمیع صاحبہ بنت چوہدری وزیر محمد صاحب حضرت مولانا جلال الدین شمس مرحوم کی بھانجی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رشید صاحب کو دو بیٹوں اور سات بیٹیوں سے نوازا۔ سب بچے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور ہر ایک نے اپنے والد کی خوش طبعی سے حصہ لیا ہے۔ جماعت سے منسلک اور خادم سلسلہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے سب شادی شدہ ہیں اور صاحبِ اولاد ہیں۔ کینیڈا اور امریکہ میں settled ہیں۔

وفات

رشید صاحب مرحوم کو بلڈ پریشر اور سانس کی تکلیف رہنا شروع ہو گئی تھی، ایک بار دل کے دورے سے بیمار بھی ہوئے۔ کالج سے ریٹائر ہونے کے بعد جماعتی ڈیوٹیوں میں ہمیشہ کی طرح مستعد رہے۔ کمزوری بڑھ رہی تھی۔ آخر اللہ کا یہ خادم بندہ 29 مارچ 2004 کو 70 سال کی کامیاب زندگی گزارنے کے بعد اپنے مالک کی خدمت میں جا حاضر ہوا، اور بہشتی مقبرہ میں سپردِ خاک ہوئے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

احباب سے مرحوم پروفیسر رشید غنی صاحب کے بلندئ درجات کے لئے دعا کی درخواست ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو اپنے مرحوم والد کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور انکے اہل و عیال کا حامی و ناصر ہو، آمین۔

☆☆☆

زیادہ ہے۔۔۔۔

ارشاد عرشی ملک اسلام آباد
arshimalik50@hotmail.com

خاصہء عشق راز داری ہے اور تری ہاؤ ہُو زیادہ ہے
تیری آہ و بکا کے پردے میں خود نمائی کی بُو زیادہ ہے

اپنی حالت کی فکر کر عرشی آپ اپنا محاسبہ کر لے
خامشی عاشقوں کا شیوہ ہے اور تری گفتگو زیادہ ہے

جو جھمیلوں میں گھر کے دنیا کے یاد کرتے ہیں تجھ کو اے مالک
تیرے نزدیک ایسے لوگوں کی لازماً آبرو زیادہ ہے

نت نئے درد مانگتا ہے دل اور پھر اور کی تمنا ہے
کرب تو نے عطا کیا ہے بہت پر مری آرزو زیادہ ہے

جذب و مستی کا آج عالم ہے دو رکعت عشق ہی ادا کر لوں
آنسوؤں سے نہائی ہیں آنکھیں دل بھی کچھ باوضو زیادہ ہے

توڑ دوں میں رواج کے پھندے پاٹ ڈالوں یہ دوریاں ساری
عشق کا میرے سر میں سودا ہے یا رگوں میں لہو زیادہ ہے

خوب کھل کر بہار آئی ہے باغ سارا مہک مہک اٹھا
زخمِ دل پل بہ پل چٹکتے ہیں اب کے ذوقِ نمو زیادہ ہے

اپنی ہستی مٹا کے میں عرشی کاش تیرا سراغ پا جاؤں
چین پڑتا نہیں کہیں دل کو دن بدن جستجو زیادہ ہے

توکل علی اللہ

عبدالنور عابد، کینیڈا

وَتَوَکَّلْ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِہٖ۔وَ کَفٰی بِہٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِہٖ خَبِیْرًا۔

اور تو اس پر توکل کر جو زندہ ہے کبھی نہیں مرتا۔ اس کی تعریف کے ساتھ ساتھ اس کی تسبیح بھی کر اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے خوب واقف ہے۔(الفرقان آیت 59)

توکل عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ تین حروف ''وکل'' پر مشتمل ہے۔تَوَکُّل کے معنی بھروسہ کرنا، کسی کو اپنا ضامن بنانا، انحصار کرنا اور کسی پر اعتماد کرنا ہیں اسی طرح توکل علی اللہ کے معنی ہوں گے کہ اللہ پر بھروسہ کرنا، اللہ کو اپنا ضامن بنالینا، اللہ پر انحصار کرنا اور اللہ ہی پر اعتماد رکھنا۔

بدقسمتی سے بعض لوگ توکل کا اصل مفہوم نہ سمجھنے کے باعث بہت تکلیف اٹھاتے ہیں۔ بعض کے نزدیک توکل کے معنی صرف اتنے رہ گئے ہیں کہ خود محنت نہ کی جائے بلکہ ہر کام کا ذمہ دار اللہ ہی کو ٹھہرایا جائے۔ کہہ دیا جاتا ہے کہ ہم اس امر میں اللہ پر توکل کرتے ہیں اور جب ان کا وہ کام نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کو مورد اعتراض ٹھہرا دیا جاتا ہے یا بعض اوقات یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ شاید اللہ کو ہی یہ کام منظور نہ تھا اس لئے ہمیں اس کام میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ایسے لوگ توکل کا اصل مفہوم نہ سمجھنے کی بنا پر غلطی کرتے ہیں اور ناکامی کا منہ دیکھتے ہیں۔ ذیل میں قرآن، حدیث، سنت اور جماعت احمدیہ کے مطابق توکل کا اصل مفہوم آسان الفاظ میں سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

''وکل'' جو کہ مادہ ہے توکل کا اس مادہ سے مختلف صیغوں کے ساتھ قرآن مجید میں کل 70 مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ جہاں جہاں اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا ذکر قرآن میں آیا ہے وہاں اسباب کو بروئے کار لانے کا ذکر بلواسطہ یا بلا واسطہ لازماً ساتھ آیا ہے۔ یعنی اسباب سے کماحقہ فائدہ اٹھانے کے بعد اس کا نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی مجلس میں آیا اس پر آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ تم اپنے اونٹ کو کس کے پاس چھوڑ آئے ہو اس پر اس نے جواب دیا کہ میں اللہ پر توکل کرتے ہوئے اسے باہر کھلا چھوڑ آیا ہوں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا تم واپس جاؤ اور پہلے اپنے اونٹ کا گھٹنا باندھو اس کے بعد توکل کرو۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے مطابق توکل اس وقت کارگر ہوتا ہے جب انسان اپنی طرف سے تمام حفاظتی اقدامات پورے کرلے اس کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے کہ اے اللہ میں نے اپنی طرف سے تمام کام جو میری ہمت و بساط کے مطابق تھے کر لئے ہیں اب تو ہی اس کا کارساز بن اور میری اس محنت میں برکت ڈال اور مجھے اس کا بہترین پھل عطاء فرما۔

اگر ہم آنحضرت ﷺ کی زندگی پر طائرانہ نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ آنحضرت ﷺ نے بھی اسباب مکمل ہونے کے بعد ہی توکل علی اللہ کیا یعنی یہ ہرگز نہ کیا کہ اسباب سے فائدہ اٹھائے بغیر اللہ کو کارساز بنایا ہو اور صرف دعاؤں سے کام چلایا ہو۔ مثلاً بدر کے مقام کی طرف چلتے ہیں آپ ﷺ نے یہ نہ کیا کہ خود اکیلے ہی بدر کے مقام پر پہنچ گئے اور وہاں دعائیں شروع کر دی ہوں مگر آپ ﷺ نے تمام اصحاب کو ساتھ لیا اور اس مقام پر دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ اسلامی فوج کو ہدایات دیں ان کو صف آرا کیا جب وہ جنگ کے لئے بالکل تیار ہو گئے تب جا کر خود دعاؤں میں مشغول ہو گئے اور اللہ پر توکل کیا۔ اس بات سے ہرگز یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اسباب سے فائدہ اٹھاتے وقت دعا نہ کی جائے بلکہ ہمارا اسباب سے فائدہ اٹھانے میں بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق کا عمل دخل ہوتا ہے اس لئے اسباب کرتے وقت بھی دعا کریں مگر جہاں تک توکل کرنے کی بات ہے اس کا مقام اسباب مکمل ہونے کے بعد آتا ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام توکل کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''توکل یہی ہے کہ اسباب جو اللہ تعالیٰ نے کسی امر کے حاصل کرنے کے واسطے مقرر کئے ہوئے ہیں ان کو حتی المقدور جمع کرو اور پھر خود دعاؤں میں لگ جاؤ کہ اے اللہ تو ہی اس کا انجام بخیر کر۔ صدہا آفات ہیں اور ہزاروں مصائب ہیں جو ان اسباب کو بھی برباد اور تہ و بالا کر سکتے ہیں۔ ان کی دست برد سے بچا کر ہمیں سچی کامیابی اور منزل مقصود پر پہنچا''۔

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 192 ایڈیشن 1984ء)

پھر توکل کی مزید تشریح کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ ایک اور جگہ فرماتے ہیں

کہ ''خدا تعالیٰ پر بھروسہ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان تدبیر کو ہاتھ سے چھوڑ دے بلکہ یہ معنی ہیں کہ تدبیر پوری کر کے پھر انجام کو خدا تعالیٰ پر چھوڑ دے اس کا نام توکل ہے۔اگر تدبیر نہیں کرتا اور صرف توکل کرتا ہے تو اس کا توکل پھوکا (جس کے اندر کچھ نہ ہو) ہوگا۔اگر نری تدبیر کر کے اس پر بھروسہ کرتا ہے اور خدا تعالیٰ پر توکل نہیں ہے تو وہ تدبیر بھی پھوکی (جس کے اندر کچھ نہ ہو) ہوگی۔۔۔۔اس کی مثال ایسی ہے کہ کسان اپنی زمین کی کلبہ رانی تو کرے نہ اسے صاف کرے نہ سہاگہ وغیرہ پھیرے صرف دعا وغیرہ کرتا رہے کہ بارش ہو جاوے اور اناج تیار ملے تو اس کی دعا کس کام آوے گی؟ دعا اس وقت کام دے گی جب وہ کلبہ رانی کر کے زمین کو تیار رکھے گا''۔

(ملفوظات جلد6صفحات 335-334ایڈیشن 1984ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ توکل کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''توکل کے معنی ہوتے ہیں انسان اپنے معاملہ کو کلی طور پر خدا تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ اور خدا تعالیٰ کے سپرد کرنے کے یہ معنی ہیں کہ انسان خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے قواعد کے مطابق چلے جس کی طرف سبح بحمدہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔اور لوگوں کو سمجھایا گیا ہے کہ توکل کے یہ معنی نہیں کہ انسان ان ذرائع کو استعمال نہ کرے جو خدا تعالیٰ نے کسی کام کی کامیابی کے لئے مقرر کئے ہوئے ہیں۔کیونکہ اگر وہ ایسا کرے گا تو وہ قانون قدرت کو لغو قرار دینے والا ہوگا۔اس کی تعریف کرنے والا نہیں ہوگا اور اگر وہ ان اسباب پر کلی انحصار کرے گا جو اس عالم میں پائے جاتے ہیں تب بھی وہ توکل کے خلاف چلے گا۔۔۔۔ہر وہ شخص جو ان سامانوں سے کام نہیں لیتا جو خدا تعالیٰ نے اس کو بخشے ہیں اور کہتا ہے کہ میں اپنا کام خدا پر چھوڑتا ہوں وہ جھوٹا ہے۔وہ خدا سے تمسخر کرتا ہے اور ہر وہ شخص جو سامانوں سے کام لیتا ہے اور کہتا ہے کہ اب فلاں کام میں ہی کروں گا وہ بھی جھوٹا ہے کیونکہ وہ اپنے کاموں میں خدا تعالیٰ کا دخل تسلیم نہیں کرتا۔کام آسان ہو یا مشکل آخر ان کی کنجی خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہی ہے۔۔۔۔پس توکل کا مفہوم یہ ہے کہ جہاں تک خدا تعالیٰ نے تم کو طاقتیں دی ہیں ان کا پورا استعمال کرو اور اس کے بعد صوفی سے زیادہ خدا پر اعتبار کرو اور کہو کہ جو کمی رہ گئی ہے وہ خدا آپ پوری کرے گا۔اور پھر خواہ انتہائی مایوسی کا عالم ہو تم ڈٹ کر بیٹھ جاؤ اور کہو کہ ہمارا خدا ہمیں کبھی نہیں چھوڑے گا۔جیسے رسول کریم ﷺ نے غار ثور میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے فرمایا کہ لا تحزن انّ اللہ معنا ہمارا کام یہ تھا کہ دشمن سے بچ کر نکل آتے سو نکل آئے۔اب دشمن ہمارے سر پر آ پہنچا ہے تو یہ خدا کا کام ہے کہ وہ ہمیں بچائے۔یہ وہ توکل ہے جس کی اسلام ہمیں تعلیم دیتا ہے یعنی پورے سامان استعمال کرو اور اس کے بعد خدا تعالیٰ پر کامل یقین رکھو اور چاہے کچھ ہو جائے یہ سمجھ لو خدا ہمیں نہیں چھوڑے گا۔مگر ہمارے ہاں بد قسمتی سے یہ طریق رائج ہے کہ جب ہمارے کسی کام کا صحیح نتیجہ نہیں نکلتا تو ہم اسے اپنی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ اسے خدا کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے تو محنت کی تھی لیکن اس کا نتیجہ نکالنا خدا تعالیٰ کے اختیار میں تھا۔اگر اس نے نہیں نکالا تو اس میں ہمارا کیا اختیار ہے اس طرح ہم اپنی کمزوریوں کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

(تفسیر کبیر جلد6صفحات544-541)

پس توکل اسی وقت کام آئے گا جب ہم دعا کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کے مہیا کئے ہوئے تمام اسباب کو بروئے کار لائیں اور کامیابی حاصل کرنے کے لئے تمام انسانی کوششیں اس کام کے لئے صرف کر دیں۔جب ہماری محنت کسی کام کے لئے انتہا کو پہنچ جائے اور ہماری ہمت جواب دیدے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کو اپنا کارساز بنایا جائے کہ اے اللہ ہم نے اپنی تمام تر صلاحیتیں اس کام کے لئے صرف کر دی ہیں اب تو ہی ہے جو اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکتا ہے اس جہت سے کیا گیا کام بشرطیکہ اس میں الٰہی روک نہ ہو ضرور کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔پس یہ بات واضح ہے کہ جو لوگ توکل کے معنی صرف یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں محنت کرنے کی ضرورت نہیں صرف اللہ پر توکل کرو تو وہ لوگ بڑی بھاری غلطی پر ہیں۔کیونکہ ایسے معنی اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہیں پس اللہ تعالیٰ ہمیں توکل علی اللہ کا اصل مفہوم سمجھتے ہوئے اس کے کرنے کی توفیق عطاء فرمائے اور ہمیں اپنے پسندیدہ لوگوں میں سے بنائے جیسا کہ وہ فرماتا ہے کہ وہ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔آمین ثم آمین

اے جنوں! دیوانہ ہو کر ہوش آیا ہے مجھے
میں ترے قربان! تُو نے یہ تو احساں کر دیا

تیری خوں خواری مسلم ہے۔تپ عشق شدید
خود تو ہے کافر مگر ہم کو مسلماں کر دیا

ہر جگہ ہے شور تیرا کیا حقیقت کیا مجاز
مشرک و مسلم سبھی کو ''سینہ بریاں'' کر دیا

وہ مسیحا جس کو سنتے تھے ''فلک پر ہے مقیم''
لطف ہے اس خاک سے تُو نے نمایاں کر دیا

(دُرِّ عدن)

قرآن کریم میں مذکور ''اصحاب'' کا مختصر تعارف

لطف الرحمٰن محمود

اصحاب الرسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

قرآن کریم پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عظیم الہامی کتاب میں بیس سے زائد مختلف جماعتوں اور گروہوں کا ذکر، تعریف و تحسین، تلقینِ عمل یا درسِ عبرت کے لئے محفوظ کیا گیا ہے۔ انگریزی الفاظ Classes اور Categories ''جماعتوں'' اور ''گروہوں'' کی نسبت بہتر رنگ میں اس مفہوم کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ''اصحاب'' کا لفظ سُنتے یا پڑھتے وقت، ذہن فوراً حضرت رسول اکرم ﷺ کے صحابہ کرام کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ صحابہ کے ساتھ ہی ان میں سے بعض کی امہات، ازواج اور بنات کے واقعات اور کوائف بھی سامنے آجاتے ہیں۔ متعدد آیاتِ قرآنی میں صحابہ اور صحابیات کا انفرادی اور اجتماعی طور پر ذکر موجود ہے۔ تفاسیر کے مطالعہ سے ہم ان مبارک حضرات و خواتین کے حالات، واقعات اور اُن کے پس منظر تک پہنچ سکتے ہیں۔ مثلاً بدر، اُحد، احزاب، حُنین اور تبوک وغیرہ معرکوں میں حصہ لینے والے صحابہ، حُدیبیہ کے مقام پر بیعتِ رضوان میں شامل ہونے والے صحابہ (سورۃ الفتح آیت 11)، ہجرتِ مدینہ کے سفر میں غارِ ثور کے حوالے سے حضرت ابوبکرؓ کا ذکر، (سورۃ توبہ آیت 40)۔ حضرت عائشہ پر بہتان کی تردید (سورۃ نور آیات 12-14)، حضرت خولہ بنتِ ثعلبہ کی اپنے شوہر کے خلاف شکایت جو اللہ تعالیٰ نے عرش پر سُن لی (سورۃ المجادلہ آیت 2) اور اس زیادتی کا شرعی تدارک (سورۃ المجادلہ آیات 3-5)۔ حضورؐ کے ایک نابینا صحابی عبداللہ بن شُریح (ابن اُمّ مکتوم) کا واقعہ (سورۃ عَبَسَ آیت 2)۔ اجتماعی طور پر صحابہ کرام کا یہ پہلو کہ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (سورۃ الفتح آیت 30) اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحابہ سے راضی ہونے کی سندِ امتیاز (المجادلہ آیت 38) چند مشہور مثالیں ہیں۔ بعض اور واقعات کے اشارے بھی ملتے ہیں۔ نام کے ساتھ صرف زیدؓ بن حارثہ کا ذکر قرآن مجید میں وارد ہوا ہے (سورۃ الاحزاب: 38)۔ یہ امتیازی فضیلت صرف حضرت زیدؓ کا مقدر بنی ہے۔ چونکہ حضرت زید بن حارثہ ایک آزاد کردہ غلام تھے۔ اس لئے کئی لوگ اُنہیں بھی سیاہ فام اور حبشی النسل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہ عرب کے مشہور قبیلہ بنو کلب کے چشم و چراغ تھے۔ ان کا قبیلہ عرب کے علاقہ دومۃ الجندل کے قرب و جوار میں آباد تھا۔ آٹھ سال کی عمر میں، بنوقین کے ڈاکوؤں نے اُنہیں قیدی بنا کر بیچ دیا۔ حکیم بن حزام بن خویلد اُنہیں خرید کر مکہ لائے اور حضرت خدیجہ کے سپرد کر دیا۔ حضرت خدیجہ نے حضرت نبی کریم ﷺ سے شادی کے بعد اُنہیں حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس وقت زید بن حارثہ کی عمر 15 تھی۔ زیدؓ کے والد، چچا اور بھائی اُنہیں واپس لے جانے کے لئے مکّہ آئے مگر انہوں نے حضورؐ کے دامنِ شفقت سے الگ ہونا پسند نہ کیا۔ گویا اس غلامی پر اپنی آزادی کو قربان کر دیا۔ اس پر حضورؐ نے خانہ کعبہ کے سامنے لے جا کر ان کی آزادی کا اعلان کیا اور عرب کے دستور کے مطابق اُنہیں اپنا متبنّیٰ بنا دیا۔ لوگ انہیں ''زید بن محمدؐ'' کہنے لگے۔ حتّٰی کہ متبنّیٰ بنانے کی رسم کے خاتمے سے قبل، بعض اہلِ مدینہ بھی انہیں ''زید ابن الرسول'' کہہ کر یاد کرتے۔ حضرت نبی کریم ﷺ کو ان سے دلی محبت تھی اور انہیں بھی اسلام کی گرانقدر خدمات سرانجام دینے کی توفیق ملی۔ حضرت زید کو پہلے چار مسلمانوں میں (حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ) میں شمار کیا جاتا ہے۔ قبولِ اسلام کے بعد وہ ہر وقت حضورؐ کی خدمت اور حفاظت پر کمربستہ رہے۔ طائف کے سفر میں بھی وہ حضورؐ کے ساتھ تھے۔ ہجرت مدینہ کے بعد حضرت زید ہی اُم المؤمنین سودہؓ اور حضورؐ کی صاحبزادیوں کو مکہ سے مدینہ لے کر آئے۔ حضرت زید ایک بہادر اور جری سپاہی تھے۔ بدر، اُحد، احزاب، تبوک وغیرہ تمام معرکوں میں پیش پیش رہے۔ حضورؐ نے اُنہیں بعض مہمات میں اسلامی لشکر کا سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی حاضر تھے اور بیعتِ رضوان میں شامل ہوئے۔ اُنہوں نے 8 ہجری میں جنگِ موتہ میں سپہ سالار کی حیثیت سے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ حضرت زید بن حارثہ جنگ موتہ کے میدان کے قریب موجودہ ملکِ اُردن میں مدفون ہیں۔ شہادت کے وقت ان کی عمر 51 سال تھی۔

زیدؓ بن حارثہ حضرت نبی کریم ﷺ سے عمر میں 10 سال چھوٹے تھے۔ حضورؐ نے انہیں عمر بھر ایک بیٹے کی طرح چاہا اور پیار کیا۔ اللہ تعالیٰ اس جلیل القدر صحابی کی خدمات کو شرفِ قبول بخشے اور اُن کے درجات بلند فرماتا رہے، آمین۔

اصحاب السّفینہ

حضرت زیدؓ بن حارثہ کے ذکرِ خیر کے بعد اب میں بعض دیگر انبیاء و مرسلین کے فیض سے مستفید ہونے والے گروہوں اور جماعتوں کا ذکر پیش کرنا چاہتا ہوں۔ ان میں سے پہلا ذکر حضرت نوحؑ کی کشتی میں سوار ہو کر' جان لیوا طوفان سے نجات پانے والوں کا ہے۔ حضرت نوحؑ کی دعوتِ حق کو قبول کرنے والوں کا ذکر سورۃ العنکبوت کی آیت 16 میں ہے جن کے لئے ''اصحاب السفینہ'' کی اصطلاح استعمال فرمائی گئی ہے۔ اس طرح غرقابی اور تباہی و بربادی سے اہلِ ایمان کے بچائے جانے کو اللہ تعالیٰ نے '' آیۃ للعالمین''، یعنی زمانوں اور جہانوں کے لئے معجزہ قرار دیا ہے۔

سورۃ ہود کی آیت 38 میں حضرت نوحؑ کو کشتی بنانے کے لئے الٰہی حکم کا ذکر ملتا ہے۔ حضرت نوح کو اس کام میں مصروف پا کر، ان کی قوم کے سرداراُن کا مذاق اُڑاتے اور آوازے کستے۔ اُس وقت سے نبیوں اور رسولوں سے تمسخر اور استہزاء کی روایت چلی آتی ہے۔ یہی سلوک ماموریِ زمانہ سے بھی روا رکھا گیا ہے۔ سورۃ ہود کی اگلی آیات میں منکرین نوحؑ کے انجام کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وعید کے مطابق طوفانِ نوح نے منکروں کو تباہ و برباد کر دیا۔ نوح علیہ السلام کی قوم کے لوگ جنوبی عراق میں آباد تھے۔ حضرت نوحؑ کا سفینہ' جُودی پہاڑ پر جا کر رُکا۔ اس پہاڑ کو آرارات بھی کہتے ہیں۔ موجودہ جغرافیائی حد بندیوں کے مطابق یہ پہاڑ مشرقی تُرکی میں واقع ہے اس کی چوٹیاں برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔ کوہ پیماؤں کی متعدد ٹیموں نے اس کشتی کا کھوج لگانے کی ناکام کوششیں کی ہیں۔ ہالینڈ میں جوہان ہیو برز نامی شخص نے بیس سال کی محنتِ شاقہ کے بعد' حضرت نوحؑ کو دی جانے والی ہدایات کی روشنی میں، یہ کشتی تیار کی ہے جو 427 فٹ لمبی اور 95 فٹ چوڑی ہے۔ اس کی اُونچائی 75 فٹ ہے۔ اس کشتی میں بکری۔ بھیڑ۔ گائے وغیرہ جیسے جانور بھی رکھے گئے ہیں۔ البتہ زیبرا۔ شیر۔ گوریلا اور ریچھ پلاسٹک کے بنے ہوئے ہیں یا بعض جانوروں کی کھالیں لے کر اُنہیں ''سٹف'' کیا گیا ہے۔ کشتی بنانے والے شخص سے تورات کی تھوڑی سی خلاف ورزی بھی سرزد ہوئی ہے۔ اس نے اُوپر کی منزل میں شائقین کے لئے ایک ریسٹورنٹ کے علاوہ ایک سینما کی سہولت بھی فراہم کی ہے۔ تفاصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے، Austin American Statesman مورخہ 11 دسمبر 2012 صفحہ A-4۔ کچھ عرصہ قبل یہ خبر بھی آئی تھی کہ جاپان میں ماہرین نے شیشے کی سلوں Slabs کی مدد سے سفینہء نوح بنانے کا منصوبہ تیار کر لیا ہے۔ اگر موقع ملا تو اس کو بھی دیکھ لیں گے۔ ہم بھی ماموریِ زمانہ کی تیار کی جانے والی ''کشتی نوح'' میں پناہ لینے والوں میں شامل ہیں۔ ہمیں لکڑی، شیشے یا فولاد کی بنی ہوئی کشتیوں کی ضرورت نہیں!

قرآن کریم نے حضرت نوحؑ کے بیٹے کے حوالے سے بعض واقعات کا ذکر کیا ہے۔ جو بڑا سبق آموز ہے۔ طوفان کی تباہی سے بچانے کے لئے حضرت نوحؑ نے شفقتِ پدری کے تحت، منکر بیٹے کو ایک بار پھر کشتی میں سوار ہونے کی دعوت دی مگر اُس نے انکار کر دیا۔ جب حضرت نوحؑ نے اُسے اپنا ''اہل'' (گھر کا فرد) قرار دے کر اللہ تعالیٰ سے رحم کی اپیل کی تو اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا: اِنَّہٗ لَیۡسَ مِنۡ اَھۡلِکَ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ (سورۃ ھود آیت 47)

مکرّر عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ مسلمہ کی تاسیس کے حکم کے لئے حضرت نوحؑ کی کشتی کی تیاری کے لئے قرآنی آیت کے الفاظ حضرت اقدسؑ پر الہاماً نازل فرمائے۔ حضورؑ نے اپنی جماعت کے لئے تعلیمات کا خلاصہ جس کتاب میں رقم فرمایا ہے اس کا نام بھی ''کشتی نوح'' ہے۔ اور اُس کے ٹائیٹل پیج پر ایک کشتی کا خاکہ بھی بنا ہوا ہے۔ اس کے ذریعے تصویری زبان میں نہایت اہم پیغام دیا گیا ہے۔ سورۃ ہود کی آیت 47 میں ہم سب کے لئے یہ بین السطور پیغام موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تقویٰ کی راہوں پر گامزن فرمائے اور گامزن رکھے اور ہم سب کو اس روحانی کشتی نوحؑ کے تقدس کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

اصحاب موسیٰ علیہ السلام

سورۃ الشعراء کی آیت 62 میں حضرت موسیٰؑ کے ساتھ مصر سے ارضِ موعود کے لئے نکلنے والے بنی اسرائیل کے لئے یہ اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ اس اجتماعی ہجرت کا پس منظر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ،صدیوں کی اس غلامی سے نجات دلانے کے لئے حضرت موسیٰؑ کو یہ مشن سونپا اور حضرت ہارونؑ کو ان کا معاون مقرر فرمایا۔ پے بہ پے معجزات اور نشانات دیکھنے کے باوجود فرعون اس مطالبے کو ٹالنے کی کوشش کرتا رہا۔ آخر کار، باذنِ الٰہی بنی اسرائیل مصر سے ہجرت کی نیّت سے نکل کھڑے ہوئے۔ فرعون' غیض وغضب میں لاؤ لشکر کے ساتھ بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلا اور دریائے نیل یا بحرۂ قلزم کے کنارے انہیں جا لیا۔ صدیوں کی غلامی کے بد اثرات سے بنی اسرائیل کے ذہن ماؤف ہو چکے تھے فرعونی لشکر کو دیکھ کر چلّانے لگے ''ہائے پکڑے گئے'' اِنَّا لَمُدۡرَکُوۡنَ۔ لیکن ردِّ عمل میں حضرت موسیٰؑ کا یقینِ کامل اور توکل علی اللہ' پیغمبرانہ تھا، فرمایا کَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیۡ سَیَھۡدِیۡنِ۔ سورۃ

الشعراء کی اگلی تین چار آیات میں آلِ فرعون کی غرقابی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ جس پانی نے حضرت موسیٰؑ اور ان کی معیت میں بنی اسرائیل کو راہِ نجات دی اُسی ذخیرۂ آب نے فرعون کے لشکرِ جرّار کو نشانۂ عبرت بنا دیا۔ اُس فرعونِ بے سروساماں کی نعش اب بھی بزبانِ حال کہہ رہی ہے ؎

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو　　مری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہو

ضمناً عرض ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے غارِ ثور میں جس پائے کا توکل علی اللہ اور ایمان و یقین دکھایا وہ حضرت موسیٰؑ سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ اُس وقت ہزاروں اسرائیلی تھے۔ لڑائی کی نوبت آتی تو مدافعت کچھ دن تو چلتی۔ سامنے اور دائیں بائیں حملہ آوروں سے نجات یا کمزوروں کے لئے کم از کم فرار کی راہیں موجود تھیں۔ غارِ ثور سے نکلنے کا صرف ایک ہی راستہ تھا جس پر خُون کے پیاسے مسلّط تھے اور غار کے اندر سے حضرت ابوبکرؓ کو ان کے پاؤں نظر آ رہے تھے۔ کفارِ مکّہ کی راہنمائی کرنے والے تجربہ کار کھوجی کہہ رہے تھے یا تو تمہارے مطلوب لوگ اس غار کے اندر ہیں اگر اندر نہیں تو آسمان پر چلے گئے ہیں۔ ان حالات و کیفیات میں حضورؐ نے ابوبکرؓ کو تسلی دی۔ لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (سورۃ توبہ آیت 40)۔ مذہب کی تاریخ میں ان دو انتہاؤں کی مثال نہیں ملتی۔ خطرے کی انتہا اور اس کے مقابلے میں توکل علی اللہ کی انتہاء۔

اصحاب الاعراف

قرآن کریم کی ساتویں سورۃ کا نام ''الاعراف'' ہے۔ اعراف عُرف کی جمع ہے۔ بلند اور ممتاز مقام شرف کو عُرف کہا جاتا ہے۔ اعراف سے مراد جنت الفردوس کے ایسے بلند و بالا مکانات اور مقامات ہیں جہاں صاحبانِ عزّ و شرف قیام فرما ہوں گے۔ سورۃ الاعراف کی آیت 49 میں اصحاب الاعراف کا ذکر وارد ہوا ہے۔ تفاسیر میں اعراف میں قیام کرنے والی شخصیات کے بارے میں پندرہ اقوال ملتے ہیں۔ ایک قول کے مطابق جنّت کے اُن اعلیٰ مقامات کے اصل مقیم انبیاء و مرسلین ہیں اور ان کے فیض سے متمتع ہونے والے۔ صدیقین، شہداء، صالحین اور اُمّتِ مرحومہ کے اولیاء اور علماءِ ربانی ہیں۔ آیت 50 میں اصحاب الاعراف کے اہلِ دوزخ میں سے اُن کے بعض سرکردہ لیڈروں سے ایک خطاب کا ذکر موجود ہے۔ اُنہیں یاد دلایا جا رہا ہے کہ تمہارے جتھے اور ساز و سامان اور وسائل تمہارے کسی کام نہ آئے اور انجام کار تم واصل جہنّم ہوئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے کُفّار کے اس انجام کی بڑی وجہ اُن کے تکبر کو قرار دیا ہے جس کا بڑا سبب اُن کا مال تھا۔ (**حقائق الفرقان جلد دوم صفحہ 206**)۔ آیت 51 ایک عبرتناک منظر کی عکاسی کر رہی ہے۔ دوزخ میں بھیجے جانے والے لوگ اصحاب الاعراف سے پانی اور جنت کی دوسری نعمتوں میں سے کچھ عطا کرنے کی التجا کرتے ہیں مگر اُنہیں بتایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام نعمتوں کو ان پر ''حرام'' یعنی ممنوع کر دیا ہے۔

دُنیاوی زندگی میں کُفّار کے سرغنے اہلِ ایمان کے خلاف سوشل بائیکاٹ کا حربہ بھی استعمال کرتے ہیں۔ حتّٰی کہ ان کا کھانا پینا، لین دین، خرید و فروخت وغیرہ سب کچھ بند کر دیتے ہیں۔ تاریخ اسلام میں شعب ابی طالب میں حضرت نبی کریم ﷺ کو اہل و عیال اور بنی ہاشم کے ہمدردوں سمیت محصور کرنے کا واقعہ درج ہے۔ 1953 اور 1974 میں جماعت احمدیہ کے خلاف سوشل بائیکاٹ کا حربہ استعمال کیا گیا۔ اس سے پہلے بھی برّصغیر پاک و ہند میں بعض مقامات پر احمدیوں کا پانی تک بند کر دیا گیا۔ ایسی غیر انسانی حرکات کے مرتکب لوگوں کو اس آیت پر غور کرنا چاہیئے۔ پانی اور جنّت کی نعماء پر دشمنانِ حق کے لئے یہ قدغن اور پابندی مخالفین انبیاء کے اہل ایمان پر ظلم اور بدسلوکی پر آسمانی ردِّعمل ہے۔

اَصحابُ الصِّرَاطِ السَّوِیِّ

سورۃ طٰہٰ کی آخری آیت 136 میں ایمان کی نعمت سے سرفراز ہونے کے نتیجے میں جادۂ مستقیم کے ان مبارک رہرووں کو ''اصحاب الصراط السَّوِیّ'' کہہ کر یاد فرمایا گیا ہے۔ انبیاء و مرسلین پر ایمان لانے والوں کو اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت میسّر آتی ہے اور وہ دینی و دنیوی برکات و حسنات سے حصہ پاتے ہیں۔ سورۃ طٰہٰ کا تاریخ اسلام کے ایک مشہور واقعہ (حضرت عمرؓ بن خطاب کے قبولِ اسلام) سے تعلق ہے۔ یہ بعثت نبوی کے پانچویں سال کا واقعہ ہے۔ حضرت عمرؓ شمشیر بکف، حضور ﷺ کو قتل کرنے کی نیت سے گھر سے نکلے۔ اُن کے تیور دیکھ کر راستے میں ملنے والے اُن کے ایک دوست نے اُن کا ارادہ معلوم ہونے پر کہا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام قبول کر چکے ہیں۔ وہیں سے واپس ہوئے۔ اپنی بہن (فاطمہ بنت خطاب) کو مارا پیٹا۔ اُن کے زخم سے خون جاری ہو گیا۔ بہن کو خون میں لت پت دیکھ کر شرمندہ ہوئے۔ پوچھا کیا پڑھ رہے تھے۔ بہن نے طٰہٰ کی آیات کا ذکر کیا۔ کہا مجھے بھی دکھاؤ۔ انہوں نے غُسل کرنے کے بعد، کلامِ الٰہی پڑھنے کی شرط عاید کر دی۔ غُسل کیا۔ غصہ فرو ہوا۔ پاک صاف ہو کر جب اُن آیات کو پڑھا تو حق ظاہر ہو گیا۔ وہاں سے دارِ ارقم پہنچے، جہاں حضورؐ تشریف فرما تھے۔ جا کر کلمۂ شہادت پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اس واقعہ سے دو باتوں کا علم ہوتا ہے۔

(1)۔سورۃ طٰہٰ کا زمانہ نزول 5 سال نبوت بنتا ہے کیونکہ یہی حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کا سال ہے (2)۔اُس ابتدائی زمانے میں بھی قرآن مجید کی آیات کو لکھ کر محفوظ کرنے کی روایت مستحکم تھی۔حضرت خباب بن ارت، تازہ قرآنی آیات کے مسوّدہ کو لے کر حضرت عمر کی بہن اور اُن کے شوہر حضرت سعیدؓ بن زید کے پاس لائے تھے۔یہاں میں حضرت خبابؓ کے متعلق مختصراً کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔یہ چھٹے شخص ہیں جن کو قبولِ اسلام کی توفیق ملی۔اس وجہ سے اُنہیں ''سادِسُ الاسلام'' کہا جاتا ہے۔یہ قریشی نہیں تھے۔باہر سے آکر مکّہ میں آباد ہو گئے۔غریب آدمی تھے۔لوہار کا کام کرتے تھے۔قبولِ اسلام کی پاداش میں قریش اُنہیں، اُنہی کی دُکان کے انگاروں پر لٹا دیتے تھے۔اُن کی پشت اُنہی مندمل زخموں کی وجہ سے چیتے کی کھال کی طرح داغدار نظر آتی تھی۔حضرت عمرؓ ملاقات کے وقت اُنہیں اپنے پہلو میں جگہ دیتے۔حضرت خبابؓ نے لمبی عمر پائی۔حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں انتقال فرمایا اور عراق کے شہر کوفہ میں مدفون ہوئے (حیات الصحابہ' مؤلفہ رفیع احمد فدائی' این ایم شیخ، ناشر بلال بُکس۔ ممبئی۔ انڈیا۔ ایڈیشن 1988' صفحہ 69,68)

اصحاب الکہف والرقیم

سورۃ الکہف کی آیت نمبر 10 میں مندرجہ بالا الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ان الفاظ کا سادہ اور سلیس الفاظ میں مطلب ہے ''غار اور یادگاری تختی والے لوگ''۔سورۃ الکہف کی اس آیت اور دیگر متعلقہ آیات میں اُن عیسائی نوجوانوں کا ذکر ہے جو عقیدۂ توحید پر استقامت سے ڈٹے رہے اور اس راہ میں ہر قسم کی صعوبتیں اور مصیبتیں برداشت کیں۔ان پر ایسا زمانہ بھی آیا کہ اُنہیں اپنا دین بچانے کے لئے غاروں میں پناہ گزین ہونا پڑا۔حضور ﷺ کی نبوت کو نعوذ باللہ مشکوک ٹھہرانے کی نیت سے کُفّارِ مکّہ' یہود و نصاریٰ سے اپنے زُعم میں مشکل اور ادق سوالات پوچھ کر حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا کرتے تھے رُوح، اصحاب الکہف اور ذوالقرنین کے حوالے سے سوالات ایسی ہی مثالیں ہیں۔اللہ تعالیٰ نے دوسرے سوالات کے جوابات کی طرح حضورؐ کو اصحاب الکہف کا صحیح علم بھی عطا فرما دیا اور کُفّارِ مکہ حسب معمول خائب و خاسر رہے۔

اصحاب الکہف کے موضوع پر مستشرقین یورپ نے بھی لکھا اور مسلمان مفسروں نے بھی۔مغربی دانش ور اُنہیں "Seven Sleepers of Ephesus" کہہ کر یاد کرتے ہیں۔انسائیکلوپیڈیا آف بریٹینیکا نے بھی ان کا نوٹس لیا ہے۔جسٹس پیر کرم شاہ بھیروی جو الازہر کے فارغ التحصیل ہیں اصحاب الکہف کی تعداد سات ہی مانتے ہیں بلکہ اپنی تفسیر میں اُنہوں نے ان سات اصحاب کے نام بھی درج کئے ہیں۔(تفسیر ضیاء القرآن جلد سوم صفحہ 22) بعض مفسرین نے تو اصحابِ کہف کے کُتّے کا نام بھی درج کیا ہے۔

''رقیم'' کا مطلب چونکہ کتبہ بھی ہوتا ہے اس حوالے سے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ان سات نوجوانوں کے نام تانبے کی پلیٹ یا پتھر کی سِل پر کُھدوائے گئے تھے۔بعض نے ''رقیم'' سے اُن کا شہر مراد لیا ہے یا وہ وادی اور پہاڑ جس میں ان کی غار موجود تھی۔رُومی شہنشاہ Decius (جسے عربی اور اُردو مفسرین ''دقیانوس'' لکھتے ہیں) 249ء سے 251ء تک حکمران تھا یہ حکمران عیسائیت کا بدترین دشمن گزرا ہے۔اس کے مظالم سے تنگ آکر کئی عیسائی غاروں میں چُھپ گئے۔مظالم کا یہ سلسلہ شہنشاہ Theodosius دوم کے عہدِ حکومت 450ء تا 408ء تک جاری رہا۔مسلمان مفسرین کی اکثریت کا یہی خیال ہے کہ یہ سات اصحاب کہف غار میں پناہ لینے کے بعد سو گئے اور تقریباً تین سو سال تک سوتے رہے۔جناب عبداللہ یوسف علی نے اپنے انگریزی ترجمہ قرآن کے ایک نوٹ میں یہاں تک لکھا ہے کہ اصحاب کہف 300 شمسی سال یعنی 309 قمری سال تک نیند کی حالت میں رہے (The Holy Quran انگریزی ترجمہ و مختصر تفسیر صفحہ 736 پبلشر Amana کارپوریشن، ایڈیشن 1988) نیند کے عرصے کے بارے میں مفسرین میں اختلاف ہے۔187 سال، 200 سال اور 375 سال کی آراء بھی ملتی ہیں۔اس معجزانہ نیند کے بعد، وہ بیدار تو ہو گئے مگر کچھ عرصہ زندہ رہنے کے بعد فوت ہو گئے۔

اصحاب کہف کے بارے میں صحیح تفسیر و تشریح آپ کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی تفسیر سورۃ الکہف میں ملے گی۔یہ تفسیر تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہے۔دوستوں کو اس تفسیر کا مطالعہ کرنے کے لئے ضرور وقت نکالنا چاہیئے (ملاحظہ فرمائیے تفسیرِ کبیر جلد چہارم صفحات 403 تا 511' ایڈیشن 1988)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی تحقیق کے مطابق اصحاب کہف رومی سلطنت میں مقیم مسیحی تھے۔اور اُن پر بت پرست حکمرانوں کے مظالم تقریباً تین سو سال تک جاری رہے۔

فِتْيَةٌ (نوجوان لوگ) کے حوالے سے حضورؓ فرماتے ہیں کہ 300 سال کے عرصہ میں جس قدر لوگوں نے قربانیاں دی تھیں، ان سب کا مجموعی ذکر کیا گیا ہے۔حضورؓ فرماتے ہیں:

میں ذاتی طور پر ان آخری معنوں کو ترجیح دیتا ہوں۔'' (تفسیر کبیر جلد چہارم صفحہ 427)

حضورؓ نے ان غاروں کی مثال دیتے ہوئے روم کے Catacombs کا ذکر کیا ہے جنہیں حضورؓ نے 1924ء میں سفر یورپ کے دوران دیکھا۔وہاں مسیحی شہیدوں کی قبروں پر جو کتبے لگے ہوئے ہیں، اُنہیں پادریوں سے پڑھوا کر سُنا۔اس سے اصحاب کہف کے حالات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔حضورؓ نے مزید لکھا ہے ایسے کیٹا کومز روم کے علاوہ مصر، سسلی اور مالٹا وغیرہ دیگر مقامات پر بھی پائے جاتے ہیں۔حقیقت یہی ہے کہ یہ صرف سات فِتْيَةٌ نوجوانوں کا معاملہ نہیں بلکہ تین سو سال پر پھیلی ہوئی نسل در نسل مسیحی موحدوں کے

ابتلاؤں کی کہانی ہے۔اصحاب کہف کے حوالے سے حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے ایک گہری معرفت کا نکتہ بیان فرمایا ہے۔ملاحظہ فرمائیے: ''میں دیکھتا ہوں براہین میں میرا نام اصحاب الکہف بھی رکھا گیا ہے۔اس میں سِرّ یہی ہے کہ جیسے وہ مخفی تھے اسی طرح تیرہ سو برس سے یہ راز مخفی رہا اور کسی پر نہ کھلا۔اور ساتھ اس کے جو رقیم کا لفظ ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ ایک کتبہ بھی ہے اور وہ کتبہ یہی ہے کہ تمام نبی اس کے (مسیح موعود کا ظہور۔ناقل) متعلق پیش گوئی کرتے چلے آئے ہیں۔''

(الحکم، مورخہ 10اگست1905صفحہ 2 بحوالہ تفسیر بیان فرمودہ حضرت مسیح موعود جلد سوم صفحہ 133)

اصحابُ المیمنہ

قرآن کریم کی دو سورتوں میں ہمیں اصحاب المیمنۃ کا ذکر ملتا ہے۔سورۃ الواقعہ آیت9 اور سورۃ البینۃ آیت19۔اگر میمنہ کو اَیْمن سے ماخوذ سمجھا جائے تو اصحاب المیمنہ کا مطلب ہوگا'' دائیں ہاتھ والے'' اگر اسے یُمن سے اخذ کیا جائے تو پھر اصحاب المیمنۃ سے برکت و یُمن کے حامل لوگ مراد لئے جائیں گے۔اہلِ جنت کو چونکہ اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اس لئے یہی'' دائیں ہاتھ والے لوگ'' ہیں۔اور اہل جنت سے بڑھ کر خیر و برکت کا مہبط اور محور اور کون ہوسکتا ہے۔لہٰذا یہ دونوں مطلب چسپاں ہوتے ہیں۔پُرانے زمانے کے میدانِ جنگ کے نقشوں میں میمنہ، میسرہ اور قلب وغیرہ کا ذکر ملتا ہے۔میمنہ سے دائیں طرف کی فوج اور میسرہ سے بائیں بازو کی فوج مراد ہے۔یہ وہی یمین و یسار' دائیں بائیں کا ذکر ہے۔قلب اس فوج کا نام تھا جسے ان دونوں کے درمیان رکھا جاتا تھا۔

سورۃ البلد کی بعض آیات میں اصحاب المیمنہ کی بعض صفات اور فضائل و مناقب کا ذکر کیا گیا ہے۔1۔غلاموں کو خرید کر آزاد کرنا۔اگر چہ اب غلامی اس روایتی شکل میں موجود نہیں۔مگر اس حالت کی بعض کیفیات اب بھی معاشرے میں نظر آجاتی ہیں۔قرضے کے بوجھ تلے دب جانے والا مقروض، چٹّی کا شکار ہو جانے والا فرد یا کوئی اور شخص جسے اس نوعیت کی افتاد کا سامنا ہو ایسے لوگوں کو محض لوجہ اللہ مصیبت سے نجات دلانا غلام آزاد کرنے کے مترادف ہے۔2۔بھوکوں اور فاقہ کشوں کو کھانا کھلانا۔ایک لمحہ کے لئے سوچئے امریکہ میں ہر روز ہزاروں ٹن کھانا ضائع کیا جاتا ہے اور دُنیا کے بعض غریب ممالک میں فاقہ کش دانے دانے کو ترستے ہیں!3۔یتیموں کی دیکھ بھال4۔غریب رشتہ داروں سے حسنِ سلوک5۔خاک آلود غرباء و مساکین کی امداد اور ان کی فلاح و بہبود کے لئے مدد۔ایسے بہت سے نیک اور فلاحی کام Humanity First بھی کر رہی ہے۔اس سے تعاون بھی حصولِ ثواب کا ایک ذریعہ ہے۔6۔اصحاب المیمنہ کے ایک اور وصف کا ذکر بھی موجود ہے۔ایمان سے مشرف ہونے کے بعد یہ خود بھی استقامت کا مظاہرہ کرتے ہیں اور دوسروں کو استقامت اور رحم و کرم کی تلقین کرتے ہیں۔اس کا مطلب ہے کہ اصحاب المیمنہ مندرجہ بالا سارے کام خود تو کرتے ہی ہیں، دوسروں کو بھی ان حقوق انسانی سے تعلق رکھنے والے کاموں کی طرف متوجہ کرتے رہتے ہیں۔

اصحاب الیمین

سورۃ الواقعہ کی اٹھائیسویں آیت میں'' اصحاب الیمین'' کا ذکر موجود ہے۔اس اصطلاح کا مطلب ہے دائیں ہاتھ والے۔ان الفاظ کا دوسرا پہلو اس گروہ کا برکات و حسنات کا حامل ہونا ہے۔اسی سورت کی آیات 29 تا41 میں اصحاب الیمین کے لئے حیاتِ آخرت میں مختص انعامات کا ذکر کیا گیا ہے۔مثلاً کانٹوں سے پاک بیریوں کے درخت' گھنے اور لمبے سائے، پانی کی آبشاریں، نہ ختم ہونے والے پھلوں اور میوں کی بہتات، اونچے پلنگ اور آرام دہ بستر، مزاج شناس، محبت پرور، خوبصورت ازواج مطہرہ وغیرہ۔جنت کی نعمتیں دراصل دنیا میں کئے جانے والے اعمالِ صالحہ کا تصویری عکس ہوتی ہیں۔تہجد کے لئے بستر سے الگ ہونے والے حیاتِ آخرت میں اونچے پلنگوں اور نرم بستروں کے حقدار ہیں۔اس دارِفانی میں اسوۂ رسولؐ کی روشنی میں' اپنے گھروں میں حسنِ معاشرت کا ماحول برقرار رکھنے والوں کی ازواج' حُورانِ جنّت جیسے حسن و جمال سے آراستہ کرکے' اُن کی رفاقت کے لئے وہاں موجود ہوں گی۔

اہلِ ایمان کو' اپنے اپنے اخلاص' فدائیت' اور استطاعت کے مطابق دنیاوی زندگی میں مختلف قسم کے اعمالِ صالحہ کی توفیق ملتی ہے۔یہی کیفیت ان کے مراتب و مدارج کی ہے اور اِسی کے موافق انہیں جنّت میں نعمتوں سے نوازا جائے گا۔یہ وجہ ہے کہ قرآن مجید میں' ہمیں اہلِ ایمان کے لئے نعمتوں کے تذکرے میں باریک فرق صاف نظر آجاتا ہے۔

اصحاب الجنّہ

یہ اصطلاح قرآن مجید میں کئی بار استعمال کی گئی ہے اوراس سے جنت میں جانے والے خوش نصیب مراد ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو ان بیانات میں تنوع کا پہلو موجود ہے۔ مثلاً سورۃ الاعراف کی آیت 43 میں یہ اعلان موجود ہے کہ ایمان لانے اور اعمالِ صالحہ بجالانے والے ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ اس سورت کی آیت 47 میں اہلِ جنت' جنت میں داخل ہونے والے منظر لوگوں کو خوش آمدید کے طور پر ہدیہء سلام پیش کرتے دکھائے گئے ہیں۔ سورۃ الاعراف کی آیت 51 کا ذکر اصحاب الاعراف میں گزر چکا ہے کہ کس طرح دوزخ کے مکین، اصحاب الجنہ سے پانی اُنڈیلنے اور دوسری نعمتوں میں کچھ عطا کرنے کی التجاء کرتے ہیں۔ سورۃ یونس کی آیت 27 میں اہل جنت کے دس پہلو کو اُجاگر کیا گیا ہے کہ ان خوش نصیبوں کے اجروثواب میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے گا۔ اگر بات واضح کرنے کے لئے مجھے دنیاوی اصطلاح استعمال کرنے کی اجازت دی جائے تو میں Increment اور Bonus کے الفاظ استعمال کروں گا۔ سورۃ الفرقان میں یہ فرمان شاہی موجود ہے کہ جنت ہی اصحاب الجنہ کا مقام ومستقر ہے۔ سورۃ الاحقاف کی آیات 14 اور 15 میں یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والے اوراس راہ میں استقامت اختیار کرنے والے ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

اگر مجھ سے سہو سرزد نہیں ہو رہا ہے تو قرآن مجید میں صرف ایک مقام پر ''اصحاب الجنہ'' کی ترکیب اُخروی جنت کی بجائے، دنیاوی باغ کے مالکوں کے لئے استعمال کی گئی ہے اور یہ سورۃ القلم کی اٹھارہویں آیت ہے۔ اوراس سے اگلی 16 آیات میں اس باغ کی تباہی اوراس کے مالکوں کی پشیمانی اور حیرانی کا ذکر چلتا ہے جو اس وعید پر ختم ہوتا ہے کہ اس دُنیوی عذاب کے بعد ایک اور بڑا عذاب آخرت میں بھی مقدر ہے۔

اس ''باغ'' اوراس کی تباہی کا مختصر ساذکر کرنے سے قبل' یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ سورۃ الاحقاف کی آیات 11 تا 17 میں کُفارِ مکہ کے سرداروں کی خامیوں اورخرابیوں کا ذکر کرنے کے بعد کہا گیا ہے کہ ان کو بھی باغ والوں کی طرح سزا دینے کے لئے آزمایا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اسلام کی مخالفت میں ان کی تمام کوششیں بے کار ثابت ہوئیں اوران کے تمام منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے!

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ باغ یمن کے شہر صنعاء کے قریب واقع تھا۔ باغ کے مالکان بڑے کنجوس تھے۔ غرباء ومساکین کو صدقہ وخیرات دینے سے بچنے کے لئے وہ منہ اندھیرے پھل جمع کرنے کے لئے باغ میں پہنچ جاتے اسی نیت سے اُس دن بھی جلدی چل پڑے اورراستے میں ایک دوسرے کو یہی کہتے رہے کہ دیکھنا کوئی غریب مسکین باغ میں گھسنے نہ پائے۔ جب وہاں پہنچے تو باغ کو تباہ و برباد دیکھا۔ اس ویرانی اور تباہی کو دیکھ کر انہیں یقین ہی نہ آیا کہ یہ اُن کا باغ ہے۔ ان کے وہاں پہنچنے سے قبل ہی، اللہ تعالیٰ نے راتوں رات اُسے اجاڑ کر نشانہء عبرت بنادیا۔

اصحاب القریہ

سورۃ یٰسین کی آیت نمبر 14 میں ''اصحاب القریہ'' کی اصطلاح وارد ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس شہر یا قصبے کا نام نہیں دیا نہ ہی اُس زمانے کا کوئی اشارہ کیا ہے نہ ہی رسولوں کے نام بیان کئے ہیں۔ مزید برآں اس واقعہ کو ایک مَثَل، مثال یا تشبیہہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس صورت حال سے فائدہ اُٹھا کر مفسرین نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق' آزادانہ تشریح کی ہے۔ پرانے مفسرین نے اس ''قریہ'' سے شمالی شام کا شہر انطا کیہ مراد لیا ہے اور رسولوں سے حضرت عیسٰی کے حواری۔ حالانکہ انطا کیہ میں عیسائیت ابتدائی دور میں ہی کثرت سے پھیلی اور انطا کیہ کو قدیم مسیحیت کا ایک مقدس شہر سمجھا جاتا ہے۔

جماعت احمد یہ کی یہ تشریح دل کو لگتی ہے کہ ''قریہ'' سے ساری دنیا مراد ہے اور اصحاب القریہ سے تمام انسانیت! یا اس سے شہر مکہ بھی مراد ہوسکتا ہے جو اُمّ القریٰ ہے۔ انبیاء ورُسل سے اوّل نمبر پر' امام المسلمین حضرت نبی کریم ﷺ اور دوسرے نمبر پر مجموعی طور پر تمام انبیاء ورُسل مراد ہیں۔ سورۃ یٰسین میں پہلے دو رسول اور پھر تیسرا رسول بھیجنے کا ذکر ہے۔ پہلے دو رسول' موسیٰؑ اور عیسیٰؑ ہیں اوران کے بعد تیسرے رسول' رسولِ اعظم محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں۔ حضورؐ کی بعثت سے قبل' یہود اور نصاریٰ کے صالح علماء نے اپنے طور پر عرب کی گمراہی دُور کرنے کے لئے بڑا زور لگایا مگر عرب سے شرک کی بیخ کنی کی توفیق حضور ﷺ کو ملی۔

سورۃ یٰسین کی اس مَثَل کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے۔ اس ''قریہ'' کے لوگوں نے مبعوث کئے جانے والے رسولوں کا انکار کردیا۔ اُنہیں کہا کہ تم ہماری طرح کے بشر ہو۔ تمہارے پاس فرشتے وحی لے کر نہیں آتے۔ محض افتراء پردازی سے کام لیا جارہا ہے۔ بلکہ تمہاری تبلیغ سے شہر میں نحوست پھیل رہی ہے۔ لہٰذا اس کا علاج یہی ہے کہ تمہیں سنگسار کردیا جائے۔ ان

حالات میں ایک شخص، شہر کے دُور دراز حصے سے دوڑتا ہوا آیا اور لوگوں کو سمجھایا کہ ذرا اس بات پر تو غور کرو یہ رسول تم سے کوئی اجر، مال وال نہیں مانگ رہے۔ اُنہیں صرف تمہاری بھلائی اور خیر خواہی مطلوب ہے۔ انبیاء کی تاریخ میں یہ قدر مشترک ہے کہ مخالفت کی شدت کے ماحول میں کوئی شخص سلطانِ نصیر کے طور پر سامنے آجاتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کو یوسف آرمتھیا مل گئے۔ حضرت نبی کریم ﷺ کو جناب ابوبکرؓ کی تائید اور رفاقت میسر آگئی۔ ''دوڑ کر آنا'' اس رجلِ رشید کے خلوص دل اور جذبہء خدمت کی تصویری زبان میں منظر کشی ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کی اسلام کی راہ میں ان قربانیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اسی قسم کے الفاظ، حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب کی تائید و نصرت کی توصیف میں استعمال فرمائے ہیں۔ اس مثل میں بین السطور ایک اور پیشگوئی بھی مخفی ہے۔ اہل مکہ نے حضرت نبی کریم ﷺ کے خلاف قتل کی سازش تیار کر کے، حضورؐ کو ہجرت پر مجبور کر دیا اور تقریباً دوسو میل دور اہل یثرب، حضورؐ کا والہانہ استقبال کرنے کے لئے شہر سے باہر دوڑتے ہوئے ثنیات الوداع تک آپہنچے۔ یہی یثرب بعض میں ''مدینہ'' کہلایا!! الفاظ کا معجزانہ انتخاب قرآن مجید کا حسنِ بلاغت ہے!!

اصحاب السبت

بنی اسرائیل یعنی یہود کے لئے یہ شرعی حکم تھا کہ وہ ہفتہ کے ساتویں دن کسی قسم کا کام کاج، لین دین، تجارت، کاروبار نہ کریں۔ یہ دن آرام اور عبادت کے لئے وقف رکھیں۔ فرعون مصر سے آزادی کے بعد صحرا میں تورات کے حکم کے تحت ''سبت'' کا احترام لازمی قرار دے دیا گیا۔ جمعہ کے دن عصر کے قریب قرنا پھونک کر سَبت کے قریب ہونے کا اعلان کر دیا جاتا ہے جو جمعہ کو غروبِ آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور ہفتہ کو غروبِ آفتاب سے ختم ہوتا ہے۔

موسوی شریعت میں سبت کی بےحُرمتی کرنے والے کے لئے موت کی سزا مقرر ہے۔۔(EX. 35:2, EX. 31:34) حضرت موسیٰؑ کی زندگی میں، صحرائے سینا کے قیام کے دوران، ایک شخص سبت کے دن لکڑیاں چُنتا ہوا پایا گیا۔ سبت کی بےحرمتی کے جرم میں اُسے حضرت موسیٰؑ کے حکم سے سنگسار کر دیا گیا۔ (اس واقعہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے تورات کی کتاب ''گنتی'' Numbers باب 15 آیات 32 تا 36۔ ضمناً عرض ہے کہ یہودیت کی فقہ کے مطابق، سبت کے دوران 39 قسم کے کام ممنوع ہیں۔ کھیتی باڑی کرنا۔ کھانا تیار کرنا۔ کپڑا بننا۔ آگ روشن کرنا۔ لکھنا۔ جانور ذبح کرنا، عمارت تعمیر کرنا وغیرہ وغیرہ۔

قرآنی اصطلاح ''اصحاب السبت'' سے جو سورۃ النساء آیت 48 میں موجود ہے، یہود کے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے مکر اور چالاکی سے سبت کے دن، مچھلیاں پکڑنے کی تدبیریں اختیار کر لیں۔ اگلے دن جا کر وہ یہ شکار جمع کر لیتے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ مکر و تلبیس پسند نہ آئی۔ بندروں کی طرح ان کے دل مسخ کر دیئے اور دینی معاملات میں وہ نقالی کی حد تک رہ گئے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت 66 میں سبت کی بےحرمتی پر ان کی روحانی سزا کا ذکر موجود ہے۔

فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ

پس ہم نے اُن سے کہا کہ ذلیل بندر بن جاؤ۔ سبت کی بےحرمتی میں صرف ایک ساحلی شہر ''ایلا'' (موجودہ ایلات) کے لوگ ملوّث تھے اُنہیں جسمانی طور پر بندر نہیں بنایا گیا۔ صرف ان کے مزاج، کردار اور عادات بندروں جیسی ہوگئیں اور اللہ تعالیٰ کی اس لعنت کے تحت دنیاوی زندگی کے دن پتا کر نابود ہوگئے۔ یہ قرآن مجید کا اسلوب بیان ہے کہ کلامِ الٰہی میں لوگوں کو ان کی پست اخلاقی حالت کے پیش نظر بعض جانور سے تشبیہہ دیتا ہے مثلاً **کمثل الحمار**، **کمثل الکلب** یعنی گدھے اور کُتے وغیرہ سے تشبیہہ۔ یہاں بھی بندر سے مشابہت کے لئے بھی یہی استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔ سورۃ الاعراف کی آیت 164 میں، سمندر کے کنارے واقع اس شہر کو ''قریہ'' کہا گیا ہے۔ بعض مفسرین اور جغرافیہ دانوں نے اس شہر کا نام ''ایلا'' درج کیا ہے جو مدین اور طور کے درمیان بحیرہ قلزم میں واقع ہے۔ تاریخ میں ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ اس بندرگاہ کی ساری آبادی بندروں میں تبدیل ہوگئی۔ ہم مانتے ہیں کہ ان کی سیرت مسخ ہوگئی اور وہ ایسے کم تر درجہ کے انسان بن گئے جن کا طُرہ امتیاز نقالی اور بےشرمی رہ گیا۔ لیکن جسٹس پیر کرم شاہ الازہری بضد ہیں کہ اس شہر کی تمام آبادی بندر بنا دی گئی۔ بلکہ ڈارون کے نظریہء ارتقا (Evolution) کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں یہ بھی ارتقاء ہے ''ارتقائے معکوس''!! (ضیاء القرآن جلد اوّل صفحہ 64)

پیر صاحب موصوف عاجز کے ہم وطن اور ہمسایہ بھی تھے۔ اُن کی مسجد ہمارے غریب خانے سے چند منٹ کے فاصلے پر تھی۔ ایام طالب علمی میں مَیں وہاں مشائخ کی تقاریر سُننے کے لئے جاتا رہا۔ حصولِ تعلیم کے لئے اُن کا مصر جانا مجھے یاد ہے۔ اگر موصوف حیات ہوتے تو ان سے بصد ادب یہ سوال کرتا کہ قرآن مجید میں حضرت نبی کریم ﷺ کے دشمنوں پر اصحاب سبت کی سی لعنت کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ یہ سزا دینے کا وعدہ سورۃ النساء کی آیت 48 میں موجود ہے۔ لیکن مدینہ میں رہنے والا حضورؐ کا کوئی ایک بدخواہ دشمن بھی بندر نہیں بنایا گیا۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب السبت کا مسخ رُوحانی تھا نہ کہ جسمانی!

(قسط دوم اگلے شمارے میں)

سو سال پہلے

جلسہ سالانہ قادیان (منعقدہ 25 تا 27 دسمبر 1912ء) کی مختصر رپورٹ

تحقیق وترتیب: حبیب الرحمٰن زیروی

پہلا بڑا سالانہ اجتماع ان احباب کا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سلسلہ مریدی میں داخل تھے۔ 27 دسمبر 1891ء کو ہوا۔ جس میں 75 صحابہ نے شرکت فرمائی تھی۔ اس اجتماع کی تحریک حضرت اقدسؑ نے خود ہی بمشورہ احباب فرمائی تھی۔ اور آپ نے اس بات کو ضروری سمجھا تھا کہ کم سے کم ایک مرتبہ سال میں ہماری جماعت کے لوگ ''بہ نیت استفادہ ضروریات دین ومشورہ اعلائے کلمہ اسلام'' اکٹھے ہوا کریں۔ چنانچہ سب سے پہلا اشتہار اس بارے میں 7 دسمبر 1892ء کو شائع ہوا تھا۔ اس اشتہار میں آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ ''اس سلسلہ کی بنیادی اینٹ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے اور اس کے لئے قومیں تیار کی گئی ہیں جو عنقریب اس میں آملیں گی'' اس جلسہ سالانہ کے مقاصد رپورٹ میں یوں بیان کئے گئے ہیں کہ ''اشاعت اسلام اور ہمدردی نو مسلمین امریکہ و یورپ کے لئے احسن تجاویز سوچی جائیں۔ اور دنیا میں نیک چلنی اور نیک نیتی اور تقویٰ طہارت اور اخلاقی حالات میں ترقی دینے اور رسوم قبیحہ کو قوم میں سے دُور کرنے کی کوششیں اور تدبیریں کی جائیں۔ اس کے بعد یہ سالانہ اجتماع روز افزوں تعداد میں حضرت صاحب کی زندگی میں ہوتا رہا ماسوائے اس کے کہ طاعون کے شدت کے زمانے میں ایک آدھ دفعہ اس کا التوا کیا گیا ہو۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسی ارشاد کی تعمیل میں سال 1912ء میں احباب کو اس سالانہ اجتماع کے لئے تحریک کی گئی۔ جس کی مختصر رپورٹ درج ذیل ہے۔

احباب جماعت کو جلسہ سالانہ قادیان 1912ء میں شمولیت کی ترغیب دلانے کی غرض سے الحکم میں درج ذیل اعلان شائع ہوا۔

''برادران السلام علیکم رحمۃ اللہ و برکاتہٗ ہمارا سالانہ اجتماع جو 25، 26، 27 دسمبر کو ہوگا قریب آرہا ہے اس سالانہ جلسہ کی بنیاد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اپنے ہاتھ سے رکھی تھی۔ اور ہمارا جو اس کے ہاتھ پر بک چکے ہیں یہ فرض ہے کہ آپ کی اٹھائی ہوئی بنیادوں کی تکمیل میں پوری ہمت اور عزم سے لگے رہیں۔ آپ کی غرض اس سالانہ اجتماع کی بنیاد ڈالنے سے آپ کے ہی پاک الفاظ میں یہ تھی کہ تا ہماری جماعت کے لوگ ''بہ نیت استفادہ ضروریات دین ومشورہ العلائے کلمہ اسلام'' اکٹھے ہوا کریں۔ سو بحمد للہ یہی پاک مقصد اب تک اس اجتماع میں ہمارے مدنظر ہے۔..........''

ایک طرف حضرت خلیفۃ المسیح کے پاک وجود سے ضروریات دین کے استفادہ کا کیسا اچھا موقعہ دیا ہے۔ جس سے بہتر اور مخلص ناصح دنیا میں تمہیں کہیں نہیں مل سکتا۔ اور دوسرے اعلائے کلمہ اسلام کی جو عملی صورتیں ہیں۔ ان کے متعلق سالانہ اجتماع میں تمہیں، فوراً اور مشورہ کرنے کا موقعہ سلسلہ کے کاروبار کو دیکھ کر اور اس کی گذشتہ کارروائی کو سن کر کیسا اچھا ملتا ہے۔ اس طرح پر یہ دونوں ضروریات جو ایک سچے مسلمان کے مقاصد میں سب سے اوّل ہونے چاہئیں۔ کس احسن طریق پر پوری ہو رہی ہیں۔''

ہم جانتے ہیں کہ سالانہ اجتماع کے لئے کوئی شخصیت اگر جاذب ہوسکتی ہے تو وہ حضرت امام کی شخصیت ہے اور خدا کے فضل سے اس وقت جبکہ میں یہ سطور لکھ رہا ہوں اس کی صحت گزشتہ سال کے انہیں ایام سے زیادہ اچھی اور قابل شکر گزاری ہے۔ اور ہم خدا کے فضل سے یقین کرتے ہیں کہ اس مرتبہ آپ کے ملفوظات اور نصائح کے لئے پہلے سے زیادہ وقت اور موقع مل سکے گا۔ (وباللہ التوفیق)

حقیقت میں آپ کی صحبت سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا موقعہ جلسہ سالانہ پر ملنا چاہیئے میں صدر انجمن کو اس امر کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کروں گا کہ امسال جلسوں کا وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عہد سعادت کی طرح بعد نماز ظہر رکھا جاوے ظہر اور عصر کی نمازیں جمع ہو کر پڑھے جانے کے بعد شام تک اجلاس ہوتا رہے۔ بہت لیکچروں کی ضرورت نہیں حضرت خلیفۃ المسیح کی تقریریں اور انجمن کی سالانہ رپورٹ کفایت کرسکتی ہیں کیونکہ اگر در خانہ کس است حرفے بس است' اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ احباب کو حضرت خلیفۃ المسیح کے حضور زیادہ وقت مل سکے گا۔ بہر حال یہ امر حضرت خلیفۃ المسیح کے ارشاد اور اذن پر موقوف ہے۔

جو لوگ ہمارے احباب میں سے اکثر قادیان آتے رہتے ہیں۔ وہ یہاں آنے کے فوائد کو بھی خوب سمجھتے ہیں۔ مگر جماعت کا بہت بڑا حصہ ایسا ہے کہ انہیں سال میں اگر کوئی یہاں تک آنے کا موقعہ مل سکتا ہے تو وہ یہی سالانہ اجتماع کا موقع ہے پس ہر جگہ کے مخلص احباب کی خدمت میں یہ درخواست ہے کہ وہ دوسرے احباب کو اس نیک کام میں شمولیت کے لئے تحریک کریں۔ بعض احباب کو کئی سال یہاں آئے ہوئے گزر گئے ہیں۔ ان کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ اس طرح پر سلسلہ سے ایک قسم کی اجنبیت سی دل میں پیدا ہوتی چلی جاتی ہے جس کا اثر گو پہلے کھلا کھلا محسوس نہ ہو مگر تھوڑے دنوں میں طبیعت کا رنگ بالکل بدل جاتا ہے۔ اس لئے سال میں ایک بار اس تعلق کو ضرور تازہ کر چاہیئے۔..........''

'' سالانہ جلسہ کی اطلاع کے ساتھ میں ایک دوسرے اہم امر کی طرف اپنے احباب کو متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ جلسہ سالانہ کے اخراجات کا سوال ہے۔ 30 نومبر تک کافی روپیہ اخراجات جلسہ کے لئے ہمارے ہاتھ میں ہونا چاہیئے تا کہ اطمینان سے ضروری اشیاء مہیا کر لی جاویں۔ اخراجات جلسہ کا تخمینہ تین ہزار روپے سے کم کسی صورت میں نہیں۔ اور یہ اٹل ضرورت ہے۔ اور اسے پورا بھی احمدی جماعت نے ہی کرنا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جو لوگ ان ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں اُن کے نام خدا کے دفتر میں ہی لکھے جاتے ہیں اور نام بنام ان کا شکریہ ہم لوگ ادا نہیں کرسکتے اور ایسا کرنا ممکن بھی نہیں ہے۔''

(الحکم 7/ دسمبر 1912ء صفحہ 6)

جلسہ سالانہ کی مختصر رپورٹ

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جلسہ سالانہ جیسا کہ اعلان کیا گیا تھا۔ 25، 26، 27 دسمبر کو نہایت کامیابی کے ساتھ منعقد ہوا۔ ان ایام میں قادیان میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعاؤں کا ایک خاص جوش تھا۔ مساجد ہر نماز میں پُر ہو کر قریب قریب کے مکانات اور میدان بھی نمازیوں کی صفوں سے پُر ہو جاتے تھے ہر جگہ اللہ کا ذکر اور اسلام کی اشاعت کا فکر دیکھا اور سُنا جاتا تھا اور کس اخلاص اور محبت کے ساتھ احباب نے جمع ہو کر ایک دوسرے کے واسطے دعائیں کیں۔ اس کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔ اُنہیں کے دل جانتے ہیں۔ جن کو دعاؤں کی توفیق ملی یا ان کے حالات جانتے ہیں۔ جن پر ان دعاؤں کا اثر پڑا اور پڑ رہا ہے۔ قادیان میں دوسرے وقتوں میں اپنی برکات اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ لیکن ایام جلسہ میں جو برکات کا نزول ہوتا ہے وہ بالکل خاص ہے۔ تقریر کرنے والوں نے معارف قرآنی اور علوم صحیحہ کے دریا بہا دیئے جو سامعین کے واسطے ازدیاد ایمان کا موجب ہوا۔

....

مہمانوں کی آمد

چونکہ محرم کی تعطیلیں تھیں۔ اس لئے مہمانوں کی آمد 18۔ 19 دسمبر ہی سے شروع ہوگئی۔ آخر 24 دسمبر عصر کے وقت تک ایک اچھا خاصا مجمع ہو گیا اور عصر کے درس القرآن میں حضرت مولانا امیر المومنین ایدہ اللہ رب العالمین نے گویا جلسہ کا افتتاح فرما دیا۔ ارشاد کیا کہ ایک عظیم الشان بزرگ یہاں آیا اور اس نے بیج بویا۔ کھیتی سرسبز ہوئی اور وہ چل دیا۔ اب میرا کام سوا اس کے کیا ہے کہ میں اس کی آبیاری کروں۔ سوا دعا کے اور میں کیا کرسکتا ہوں۔ تم اپنے اعمال کو درست بناؤ۔ اور لوگوں کے لئے نیک نمونہ بنو۔ دیکھو تمہاری مثال دنیا میں ایسی ہے جیسے آٹے میں نمک (بہت ہی قلیل) کھانا اگر بے مزہ ہو۔ تو اس کا علاج ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر نمک ہی بگڑ جائے تو پھر کیا علاج ہوسکتا ہے؟ پس تم اپنی ذمہ واری کو پہچانو۔ پہلے اپنی اصلاح کرو۔ پھر لوگوں کو حق سناؤ۔ لیکن یاد رہے کہ تمہارا موعظہ موعظۂ حسنہ ہو۔ ایک ہی بات ہے جو ایسے پیرائے میں بھی ادا ہوسکتی ہے کہ سننے والے کے دلنشین ہو اور ایسے طرز میں بھی کہ اس سے جوشیلی طبائع بھڑک اٹھیں۔ تم کوئی ایسی بات نہ کرو۔ جس سے بجائے فائدے کے نقصان ہو۔

حضرت مولانا سید محمد احسن صاحب امروہوی کی آمد

یوں تو ہندوستان کے قریب وبعید علاقوں سے لوگ آئے اور آنے والوں میں سے ہر ایک زیرِ الہام یـاتـون مـن کـل فج عمیق میرے سید ومولیٰ کی صداقت کا نشان تھا۔لیکن ان میں سے حضرت مولانا سید محمد احسن سلمہ اللہ ذوالمنن کا آنا خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے بایں ضعف وپیری کہ سن شریف اسی سال سے بھی متجاوز ہے۔ اس جاڑے کے موسم میں باوجود ضعف بصارت جس اخلاص وارادات سے آپ آئے اس سے جلسہ کی تقریب پر حاضری کی اہمیت ظاہر ہے۔مولانا موصوف حضور مغفور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فاضلانہ یادگار ہیں۔آپ جو عزت واحترام فاضل احسن کا فرماتے تھے۔اس کا نظارہ ابھی تک ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور فاضل موصوف نے بھی جو خدمات کیں۔ان کا اجر اللہ پر ہے۔قوم اُن کے احسانات سے سبکدوش نہیں ہوسکتی۔تائید سلسلہ میں آپ نے حضور مغفور کے دوش بدوش کتابیں لکھی ہیں۔جن کی تعداد چونتیس کے قریب پہنچتی ہے۔اللہ تعالیٰ ان کو بیش از پیش ثواب مرحمت فرمائے۔آپ حضرت خلیفۃ المسیحؓ سے بھی کمال نیازمندانہ ارادت واخلاص رکھتے ہیں۔

حضرت صاحبزادہ والا تبار

ہمارے اولوالعزم نوجوان خدا کے برگزیدہ مسیح کے فرزند ارجمند جو سرزمین مکہ میں تشریف فرما تھے۔ان کی غیر حاضری کو ہر فرد سلسلہ نے خصوصیت سے محسوس کیا۔وہ نکات معرفت وہ حقائق قرآنیہ اور وہ پیاری پیاری آواز جس میں بعض اوقات سیدنا المسیح الموعودؑ کی جھلک آجاتی ہے۔سننے کے لئے ہر دل بے قرار تھا۔لیکن خدا کے بعض حکم و مصالح کے ماتحت یہ جدائی بھی ناگزیر اور اپنے اندر بہت سے اسرار وبرکات رکھتی ہے۔جو اپنے وقت پر ظاہر ہوں گے۔آپ کا تار جلسہ کے ایام ہی میں آگیا۔کہ میں جہاز پر جدہ سے سوار ہوتا ہوں مگر جلسہ پر نہیں پہنچ سکوں گا۔ہاں ایک اپنا پیغام دے دیا تھا کہ کشتی ڈوبنے کے وقت جو حالت ہوتی ہے وہ اس وقت مسلمانوں کی ہے۔سب دعاؤں میں لگ جاؤ۔میں نے تمام قادیان والوں اور افراد سلسلہ کے لئے بہت بہت دعائیں کی ہیں۔جزاہ اللہ احسن الجزاء

پروگرام

یہ جلسہ دوسرے جلسوں کی طرح نہیں کہ لیکچراروں کے نام ایک مہینہ پہلے ہی چھپ جاویں اور گو ان میں سے اکثر نہ بھی آسکیں۔تاہم ان کے نام سے اکثر لوگوں کو آنے کی تحریک ہو۔بلکہ یہ اجتماع جس غرض اور جس کشش روحانی سے ہوتا ہے۔وہ قادیان میں ہر وقت موجود ہے۔اس لئے پروگرام صبح کا ہر رات کو شائع ہوتا رہا۔

3 روزہ پروگرام جلسہ 25، 26، 27 دسمبر 1912ء

25 / دسمبر بدھ مسجد اقصیٰ

خطبہ مدرسہ احمدیہ	صبح 9 بجے سے 10 بجے تک	عربی اور اردو میں مضامین
جناب شیخ تیمور صاحب ایم اے	صبح 10 بجے سے 11 بجے تک	کالج کی تعلیم سے قرآن کریم کی خدمت کس طرح کر سکتے ہیں
جناب ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اسسٹنٹ سرجن لاہور	صبح 11 بجے سے 12 بجے تک	حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کا اصل مقصد اور احمدیہ جماعت کے اہم فرائض
خواجہ کمال الدین صاحب (تحریری مضمون) جناب مولوی صدرالدین صاحب نے پڑھ کر سنایا	12 بجے سے 1 بجے تک	تبلیغ اسلام
حضرت خلیفۃ المسیح	بعد جمع نماز ظہر وعصر	مذاہب عالم پر ریویو۔ اللہ کو راضی کرنے اور اتحاد و اتفاق کی نصیحت

26/دسمبر 1912ء جمعرات۔ مسجد اقصیٰ

	صبح 9 بجے سے 10 بجے تک	حضرت مسیح موعود سے سنی ہوئی باتیں۔ پادریوں کے اس اعتراض کا جواب کہ قرآن بائیبل کی تصدیق کرتا ہے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب کے خطوط سنائے گئے
مولوی صدرالدین صاحب بی۔اے، بی۔ٹی	10 بجے سے 12 بجے تک	الحمد کی تفسیر میں سب کے ساتھ ہمدردی اور بزرگوں کی عزت کی تائید
حضرت مولوی محمد احسن صاحب	11 1/2 بجے سے 1 بجے تک	''تائید اسلام و سلسلہ'' یہ مضمون مولوی غلام محمد صاحب بی اے نے پڑھا۔
حضرت خلیفۃ المسیح	بعد جمع نماز ظہر و عصر	بقیہ تقریر دیروزہ

27/دسمبر 1912ء جمعہ۔ مسجد نور

ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب	9 بجے سے 10 بجے تک	''قومی ضروریات''
مولوی محمد علی صاحب	10 بجے سے 12 بجے تک	رپورٹ سالانہ واپیل
محمد نواب خان صاحب ثاقب	بعد جمعہ	نظم
جمعہ حضرت خلیفۃ المسیح نے پڑھایا۔ بیعت ہوئی		
بعد جمعہ چوہدری فتح محمد صاحب اور مولوی غلام رسول صاحب راجیکی کی تقریریں ہوئیں۔		

ان کے علاوہ مولوی شیخ غلام احمد صاحب نے صبح کی نماز کے بعد وعظ کیا اور 26 کی رات کو بعد نماز عشاء کانفرنس انجمن ہائے احمدیہ کا اجلاس ہوا............

مدرسہ احمدیہ کے طلباء کی تقریریں سب سے اوّل کرائی گئیں۔ تا کہ اس مدرسہ کی ترقی کا نمونہ احباب کے سامنے پیش ہو۔ پہلے ایک طالب علم نے خوش الحانی سے قرآن شریف کی چند آیات پڑھیں۔ جس سے طلباء کی لیاقت زبان عربی میں معلوم کر کے سامعین کے دل خوش ہوئے۔ پھر محمود احمد پسر شیخ الحکم نے اپنا مضمون سُنایا اور آیات قرآنی سے تقویٰ، ایمان اور اسلام میں قومی ترقی کا راز بتلایا۔ (الحکم 9/ جنوری 1913ء صفحہ 7.6.5)

اغراض جلسہ کی طرف توجہ

اس کے بعد سیکرٹری صاحب نے احباب کو اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ ہمارا سال کے بعد یہاں جمع ہونا کسی میلہ کی خاطر نہیں ہے۔ نہ مٹھائیوں کے کھانے پینے کے واسطے ہے اور نہ چندوں کا جمع کرنا اس جلسہ کی غرض ہے۔ نہ کوئی پولیٹیکل وسوشل مشورے ہم نے کرنے ہیں۔ بلکہ اس کا مقصد صرف روحانی ترقی ہے۔ اس واسطے احباب کو چاہئے کہ جو پروگرام بنایا گیا ہے اُس میں شامل احباب اپنا پہلا مقصد خیال کریں۔ تمام لیکچرار حضرت خلیفۃ المسیح نے ہی مقرر کئے ہیں۔ یہ ایک نہایت عجیب موقعہ ہے۔ اس سے فائدہ اٹھائے تا کہ یہ تین دن سال بھر کی برکت کا ذخیرہ بن جائیں۔

جلسہ سالانہ کے موقعہ پر کی جانے والی تقاریر کا خلاصہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

شیخ تیمور صاحب ایم اے

سلسلہ احمدیہ کا ایک جوان جو باوجود ایم اے ہونے کے عربی تعلیم سے فارغ ہے اور حضرت خلیفۃ المسیح نے اسے آپ بڑی توجہ اور محنت سے پڑھایا ہے۔ آج کل

علی گڑھ میں اسسٹنٹ پروفیسر ہے۔ آپ کے مخاطب کالجیٹ تھے۔ کہ وہ قرآن کریم کی کیا خدمت کر سکتے ہیں آپ کا لہجہ نہایت صاف، تقریر بہت شستہ اور مطالب متین تھے۔ آپ نے ہونہار احمدی طالبعلموں کو مشورہ دیا کہ وہ کالجوں میں سائنس لیں۔ جس سے مراد علم طبقات الارض، علم نباتات، علم ہیئت، کیمسٹری وغیرہ ہے۔ اور پھر ان علوم سے دنیا کی خدمت کریں۔

مرزا یعقوب بیگ صاحب

آپ نے اپنے لیکچر میں یہ بتایا کہ ''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کا مشن کیا تھا اور احمدی جماعت کے فرائض کیا ہیں۔'' آپ نے ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ جو کچھ انہوں نے کما کر دکھایا اور اسلمت لرب العلمین کی تفسیر فرمائی۔ پھر بتایا کہ حضرت مرزاؑ کو بھی ''ابراہیم'' کہا گیا یعنی خدا نے فرمایا کہ تو بھی ابراہیمی صفات کا مظہر ہے۔ چنانچہ آپؑ نے ہی قادیان جیسی بستی میں جو روحانیات کے اعتبار سے ایک جنگل تھی۔ خدا کی یاد کے لئے ایک گھر بنایا۔ آپؑ پر بھی ابتلاء آئے مگر آپؑ ان میں ثابت قدم رہے اور اس شعر کے مصداق تھے۔

پہلوانِ حضرت رب جلیل   برمیاں بستہ زشوکت خنجرے

آپؑ نے عیسائیوں کی، آریوں کی، مسلمانوں کی غلطیاں واضح کیں اور آپ نے ایک جماعت بنائی جس سے ''دین کو دنیا پر مقدم کروں گا'' کا عہد لیا۔''

حضرت مولوی محمد احسن کا مضمون بموجودگی حضرت موصوف صوفی غلام محمد صاحب بی اے نے پڑھ کر سنایا۔ مضمون کیا تھا۔ سورہ مائدہ کی عجیب تفسیر اور خوان مسیحی کا ایک دلچسپ بیان۔ اچھوتا مضمون جو کبھی کسی تفسیر میں احباب نے دیکھا یا سنا نہ ہوگا اور یہ حضرت احسن ہی کا کام تھا۔ اُس کے سنتے سُنتے وہ زمانہ یاد آتا ہے جبکہ حضرت مسیح موعودؑ اس دُنیا میں رونق افروز تھے مسجد مبارک ہوتی تھی اور جمعہ کا دن اور حضرت فاضل امروہی۔ پھر کیا نکات قرآنی بیان ہوتے تھے اور کس طرح قرآن شریف کی تفسیر خدا کی تازہ وحی سے کی جاتی تھی غرض اسی کا نقشہ اس مضمون میں موجود ہے۔ حضرت نے بدلائل بیان کیا ہے کہ مائدہ والا معاملہ ایک پیشگوئی تھی اور وہ مائدہ شریعت اسلام تھا جو اپنے وقت پر نازل ہوا۔

رپورٹ و اپیل

ساتویں سالانہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ کے مطابق زکوٰۃ اور مستقل فنڈ کے سوائے باقی تمام مدات میں پچھلے سال کی نسبت ترقی ہوئی ہے۔ زکوٰۃ کے ایک جگہ جمع ہونے سے بڑے کام چلتے ہیں۔ صحابہ کا یہی دستور العمل تھا۔ زکوٰۃ کو اپنی اپنی جگہ خرچ کرنے کے بجائے اُس کو یہاں بیت المال میں بھیج دینا چاہئے۔ چندے جو آپ لوگ دیتے ہیں۔ ان کی ادائیگی سے فرض زکوٰۃ ادا نہیں ہوسکتا۔ کامیابی کا یہی اصل ہے کہ زکوٰۃ کا روپیہ مرکزی مقام پر جمع ہونا چاہئے۔

اس سال کی آمد ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ ہے جس کے ذرائع مستقل ماہواری اور غیر مستقل چندے (مثلاً عمارت فنڈ) اور بعض دیگر مدات آمد بھی ہیں شفاخانہ کے واسطے چندہ کی آمد بہت ہی کم ہے، عید فنڈ اور چندہ امداد لنگر میں پچھلے سال کی نسبت کمی ہوئی ہے۔ یتامیٰ فنڈ میں حضرت خلیفۃ المسیح کی تحریک کے سبب بہت ترقی ہوئی ہے اور تعمیر کا چندہ بھی پچھلے سال کی نسبت نمایاں ترقی پر ہے۔

دیگر ذرائع میں اسکول کی فیس ہے جس میں ترقی ہے اور سرکاری گرانٹ اور فروخت رسالہ و کتب و وصایا و سرکاری امداد تعمیر ہے۔ ان سب میں اس سال پہلے کی نسبت زیادہ روپیہ آیا ہے۔ جن طلباء کو بطور قرضہ کے وظائف دیئے جاتے ہیں۔ ان کا اپنے قرضوں کے واپس کرنے کا سلسلہ بھی شروع ہے اور یہ طریق امداد کا بہت مفید ثابت ہوا ہے۔ اس سال میں کل خرچ ایک لاکھ ستائیس ہزار روپے ہے۔ جو گزشتہ سال کے خرچ سے 9 ہزار زیادہ ہے جس کی وجہ تمام کاموں میں ترقی ہے۔

مدرسہ احمدیہ پر فی طالب علم 90 روپے خرچ ہوا۔ ہائی اسکول میں 74 فی طالب علم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مدرسہ احمدیہ میں طلباء کم ہیں۔ فی یتیم 72 روپے سال میں خرچ ہوئے۔ اوسط تعداد مہمانوں کی 192 روزانہ ہے۔ صیغہ تعمیر میں چوبیس ہزار روپیہ خرچ ہوا۔

صرف آٹھ انجمنیں بیرونی ایسی ہیں۔ جن کا چندہ ایک ہزار سے زائد ہے۔ سب سے زیادہ چندہ اس سال جماعت لاہور کا ہے لیکن انجمن لاہور میں ضلع کا انتظام مثل

انتظام سیالکوٹ نہیں ہے۔اس سال سیالکوٹ کا چندہ پچھلے سال کی نسبت ایک ہزار کم ہے۔تیسرے نمبر پر انجمن قادیان ہے۔چوتھے درجہ پر فیروز پور اور پانچویں درجہ پر پشاور ہے۔ان کے بعد انجمنیں مردان، لائل پور اور شملہ ہیں۔شملہ کے احمدی احباب کی تعداد کے لحاظ سے ان کا چندہ دراصل سب سے اوّل ہے۔

نماز ظہر وعصر

اس کے بعد ظہر وعصر کی نماز جمع ہوئی اور حضرت خلیفۃ المسیح نے تقریر فرمائی جو معارف وحقائق سے لبریز تھی۔آپ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

(جلسہ کے موقع پر یہ حضرت صاحب کی پہلی تقریر ہے مکرم محمد اکبر شاہ خان صاحب نے ساتھ ساتھ لکھا تھا اور چھپنے سے قبل حضرت خلیفۃ المسیح کو اس کا مسودہ دکھلا لیا گیا ہے۔ایڈیٹر البدر)

اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم۔يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلاَ تَمُوتُنَّ إِلاَّ وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ (102)وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعاً وَلاَ تَفَرَّقُواْ وَاذْكُرُواْ نِعْمَتَ اللّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاء فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَاناً وَكُنتُمْ عَلَىَ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (103)وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (104)

(آل عمران:103 تا 105)

یہ آیت شریفہ جس کو میں نے پڑھا ہے چوتھے پارہ اور دوسری سورۃ آل عمران میں ہے۔میرے خیال میں اس وقت اس آیت کے پڑھنے کی ضرورت ہے اور اس میں ایک علاج لکھا ہے۔اس پر عملدرآمد کی ضرورت ہے۔اس ضرورت کے خیال پر میں نے بھی اس آیت کریمہ کو پڑھا ہے۔یہ بات تو تم جانتے ہو کہ پاک مقدس نیک آدمی کبھی ناپاک اور غیر مقدس کے ساتھ تعلق نہیں رکھ سکتا۔پلید اور پاک کا تعلق محال ہے۔خدا تعالیٰ ہر ایک عیب، ہر ایک نقص اور ہر ایک بدی سے پاک ہے۔پس جہاں تک کوئی نقصوں کو دور کرتا چلا جائے اسی قدر بے نقص سے قرب حاصل کر سکتا ہے۔..........................

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (ال عمران :103)حق تقویٰ کا ادا کرو۔اللہ تعالیٰ کی ذات پاک مقدس مطہر عیب سے بری ہے۔وہ یکتا ہے۔اپنے اوصاف ومحامد میں بے ہمتا ہے۔اللہ جلشانہ کے افعال وعبادات وتعظیمات میں کوئی بھی شریک نہیں وہ وحدہ لاشریک ہے۔میری تحقیقات اور سمجھ نے جہاں تک کام دیا ہے قرآن کریم جیسی کتاب میں نے نہ دیکھی نہ سنی اور نہ کسی منہ سے کوئی چیز ایسی مجھ تک پہنچی۔..........................

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا (ال عمران :104)۔اللہ تعالیٰ نے الزام کے طور پر ہر مدرسہ میں رسہ کھینچنے کا ایک انتظام کیا ہے۔یہ رسہ میری سمجھ میں اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس آیت کی طرف توجہ ہو۔یہ جناب الٰہی کا رسہ قرآن کریم آ گیا۔ایک طرف تمام دشمنان خدا اور اعداء نبی کریم اس کو کھینچنا چاہتے ہیں کوئی تاریخی طور پر کوئی سائنس اور مشاہدہ کے ذریعہ سے الزام لگانا چاہتا ہے کوئی اس کوشش میں ہے کہ اس کے اسباب کے نتائج کا خلاف کیا جائے۔خدا تعالیٰ اور اس کے نبیوں کے منکر ایک طرف کھینچتے ہیں۔تمام مسلمانوں کو حکم ہے کہ تم ایک دم اپنا سارا زور لگاؤ کیونکہ اس میں تمہارا بچاؤ ہے۔اس میں تو اتفاق کرلو وَ لَا تَفَرَّقُوْا (ال عمران:104)تفرقے چھوڑ دو۔آپس میں محبت بڑھاؤ۔اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان محبت ڈالی ہے۔اللہ تعالیٰ کا تم پر فضل ہوا ہے۔تم لوگ کس طرح آپس میں عداوت رکھتے تھے۔جناب الٰہی نے تم میں الفتیں پیدا کر دی ہیں۔اندرونی مذاہب میں شیعہ تمام اصحاب کرام کو گالیاں دیتے ہیں اور خوارج اہل بیت کو۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تمہارے درمیان الفتیں پیدا کر دیں ہیں تو کم سے کم سورۂ آل عمران کے زمانہ میں جس قدر صحابہ تھے وہ تو سب ضرور آپس میں محبت رکھتے تھے۔جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ قرآن کریم کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے اَلَّفَ کے بعد اِخْوَانًا فرمایا ہے کیونکہ کبھی کبھی بھائیوں میں کدورتیں بھی ہو جاتی ہیں۔اس جماعت صحابہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت معزز کیا ہے۔اگر ان میں اختلاف ہوتا تو تمام بلاد کے فتوحات کس طرح ہوتے۔اگر وہ ایک نہ ہوتے تو لما الله الما اللّٰہ کے خلاف ہوتا۔میں نے اپنے ایک دوست سے کہا بھلا تم ''کلینی'' تو پڑھ کر دیکھو۔کہا اپنی تردید کے لئے یہی کافی ہے۔خدا تعالیٰ کے اس فضل کو یاد کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں کون کون لوگ تھے حبشیوں میں بلال، رومیوں میں صہیب، حسن بصری جیسے بصرہ کے۔یہ اشارہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ماننے کے لئے ہم نے عرب وعجم کی مخلوق ایک کر دی ہے۔..........................

قرآن شریف میں ورثہ کا بیان فرماتے ہوئے خداتعالیٰ نے فرمایا ہے تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (النساء :15,14) یہ میری حد بندی ہے۔ جو میری حد بندی پر نہ چلے گا میں اس کو ذلیل کر دوں گا۔ اب اپنے اپنے گاؤں کے حالات پر غور کرو۔ عورتوں کو حقوق کس قدر دیئے جاتے ہیں۔ تم لوگ اکثر عورتوں کو حصہ نہیں دیتے۔ عورت کی بھلائی کا قانون سوائے قرآن کریم کے اور کہیں دنیا میں ہے ہی نہیں۔ میں نے بڑے بڑے واقف کاروں سے پوچھا ہے۔ لنڈن میں بھی عورتوں کی بھلائی کا کوئی قانون نہیں نکلا۔ ایک خاوند نہ چھوڑنا چاہے نہ رکھنا چاہے۔ اب عورت مجبور ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہ نان ونفقہ کی ڈگری حاصل کرے پھر اس ڈگری کا اجرا کرانا دشوار۔ میں نے بڑی کوشش اور تلاش کے بعد بھی کوئی قانون ایسا نہیں دیکھا جس میں عورتوں کے حقوق کا لحاظ کیا گیا ہو۔ قرآن کے قاعدے خود مسلمانوں نے ہی چھوڑ دیئے ہیں۔ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ (البقرة :229) عورت کی بہتری کے سامان اسی قدر ہیں جس قدر تمہارے۔

ایک اور مشکل پیش کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ قرآن کریم میں لکھا ہے کہ جو لوگ معاہدہ کر کے خلاف کرتے ہیں ہم نے ان کی یہ سزا رکھی ہے کہ وہ منافق ہو کر مرتے ہیں اب ہم نے بھی تو اتنا بڑا معاہدہ (اقرار بیعت) کیا ہے۔ میرا دل نہیں چاہتا کہ ہماری جماعت میں منافق ہوں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میری بات کے سننے والے عمل کرنے والے ہوں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ منافق اکٹھے ہو جائیں۔ میں تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ (هود :30) بلکہ اس عہدہ پر آ کر مجھ کو خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے جو پہلے نہیں ہوتا تھا۔ ایک سائل آتا ہے وہ کہتا ہے کہ میں ابھی جاتا ہوں اور میرے پاس خرچ سفر نہیں۔ اب میں اس سے یہ کہاں کہہ سکتا ہوں کہ میری چٹھی بنام انجمن لے جاؤ۔ انجمن کہے گی مہینہ کے بعد ہمارا اجلاس ہوگا۔ پھر بڑے اہلکار چھوٹے اہلکاروں کے نام حکم لکھیں گے اور اس طرح اس کی تعمیل میں مہینے گزر جائیں گے اور وہ فوراً رخصت ہونا چاہتا ہے۔ میں نے اس دکھ کو بڑا محسوس کیا ہے۔ جب دنیا کے لوگوں نے مجھ سے کہا کہ ہم نے تم کو نمبردار بنایا ہے۔ آپ کا ماہوار خرچ کیا ہوگا؟ میں نے کہا اے مولیٰ! تو نے مجھے کبھی کسی کا محتاج نہیں بنایا اور موت کے قریب بندوں کا محتاج بناتے ہو؟ مجھ کو بڑا مزا آیا جب کہ میں نے ایک آدمی سے کچھ مانگا۔ چند عرصہ کے بعد اس نے کہا میں تو بھول ہی گیا میرا ایمان بہت بڑھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا ہی فضل کیا ہے اور وہاں سے رزق دیا جہاں سے میرا وہم وگمان بھی نہ تھا۔ باقی یہ کہ میں دو چار عربی کے فقرے اور ضرب المثلیں بیان کروں۔ اس کی ضرورت نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم دین کو دنیا پر مقدم کرو، لالچ، دغا، شرارت بالکل نہ کرو۔

قرآن کا سمجھنا بڑا ضروری ہے سمجھ کر اس پر عمل کرنا اور جناب الٰہی سے دعا مانگنا کہ اسی پر خاتمہ بالخیر ہو۔ یورپ میں بہت کتابیں نکلی ہیں کہ اگر نمونہ کے طور پر صرف ان کے ٹائٹل پیج کیا اگر ان کے ناموں کی فہرست بھی پڑھنا چاہیں تو طاقت نہیں۔ ان سب کے بالمقابل قرآن شریف کو پڑھو۔ یہ سب پر غالب اور سب سے بڑھ کر رہے گا۔ اس کتاب قرآن کریم کا ایک نمونہ دنیا میں آیا۔ اس کا نام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ اس نے قرآن کریم پر عمل کر کے دکھا دیا کہ اس پر عمل کرنا انسان کی طاقت سے باہر نہیں۔ پھر آپ ہی عمل نہیں کیا بلکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی عمل کرا کر دکھا دیا حضرت عبداللہ بن مسعود کا مسجد کے قریب سے گزر ہوا اس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے۔

آپ نے لوگوں کو فرمایا بیٹھ جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے گلی میں اس آواز کو سنا وہیں بیٹھ گئے کسی نے پوچھا یہ کیا کیا؟ آپ نے کہا شاید مسجد میں جانے تک جان نکل جائے اور حکم کی تعمیل رہ جائے کیا فرمانبرداری تھی۔ پھر اس فرمانبرداری کے ساتھ ایک دعویٰ بھی ہے

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (ال عمران :32)

اگر تم اللہ تعالیٰ کے پیارے بننا چاہتے ہو تو تم میرے تابع ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تم سے پیار کرے گا اللہ تعالیٰ کا محبوب بن کر انسان کو ذلت ورسوائی اور ناکامی نہیں ہوسکتی اور آدمی ذلیل ترین کبھی نہیں بن سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا محبوب بننا اتباع نبی کریم پر منحصر ہے اور وہ اتباع انسان کرسکتا ہے۔ اس اتباع کے لئے صحابہ کرام کا نمونہ موجود ہے اور تم سب کر سکتے ہو۔ میں نے بارہا قرآن کریم اس غرض سے پڑھا ہے کہ اس میں کوئی ایسا بھی حکم ہے جس پر ہم عمل نہیں کر سکتے۔ مگر میں نے کوئی قرآنی حکم ایسا نہیں دیکھا جس پر عمل کرنا دشوار ہو۔ قرآن کریم کے خلاف عمل کرنے میں روپیہ بھی زیادہ خرچ ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی فرمانبرداری میں روپیہ بھی زیادہ خرچ نہیں ہوتا۔ امریکہ جانے کا خرچ، پیرس،

جرمن، لنڈن جانے کا خرچ اور اس کے مقابلہ میں مکہ جانے کا خرچ دیکھو۔ نماز کے خرچ اور اُسترے کے خرچ کا مقابلہ کرو۔ روزے اور شراب کے خرچ کا مقابلہ کرو پتہ لگ جائے گا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں انسان جناب الٰہی کا محبوب بن سکتا ہے۔ مجھ کو آج تک کوئی بات ایسی نظر نہیں آئی کہ جناب الٰہی یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری میں تکلیف ہو۔.................

قرآن کریم یہ بھی بتاتا ہے کہ تم میں اختلاف کیوں ہے:

فَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (المائدۃ :١٥) جب ہمارے حکم کو بھول گئے تو ہم نے ان کے درمیان بغض ڈال دیا۔ اپنے گھروں کو دیکھو اپنی برادری کو دیکھو اور دکھ سے کہتا ہوں کہ بعض بعض احمدیوں کو بھی دیکھو کہ ان میں بغض اور کینہ موجود ہے ابھی تم کچھ ہوئے بھی نہیں پھر بھی تم میں وہی فساد ہے جو پہلے تھا جب اللہ تعالیٰ کی نصیحتوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے تو بغض اور عداوت پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر تمہارے اندر بغض اور عداوت ہے تو تم نے اللہ تعالیٰ کی نصیحتوں کو چھوڑ دیا۔ ایک جگہ آتا ہے کہ کفار کو فجار کے عذاب دینے کے لئے ہم نے پیدا کیا۔ تمہارے مکان کی ذرا سی زمین تمہارے ہاتھ سے جاتی رہتی ہے تو تمہاری جان نکل جاتی ہے لیکن ملکوں پر ملک تمہارے قبضہ سے نکلتے چلے جاتے ہیں، سمرقند، بخارا، دہلی، لکھنو، مصر، مسقط، زنجبار، مراکش، تیونس، طرابلس، ایران وغیرہ بارہ سلطنتیں مسلمانوں کی میرے دیکھتے دیکھتے تباہ ہوئیں اور اب قسطنطنیہ پر بھی دانت ہے۔ یہ کیوں ہوا؟ قرآن میں اس کا سبب لکھا ہے وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ (الانفال :47) باہم جھگڑے چھوڑ دو۔ تم نے دیکھ لیا ہے تم کہو گے ہم نے طرابلس میں چندہ دیا بیشک نیک کام کیا لیکن اصل چیز تو خشیۃ اللہ تھی۔ تمہارے دل میں خشیۃ اللہ پیدا ہوئی۔ تم نے قرآن کے جوے کے نیچے اپنی گردن کو رکھا؟ اس کا جواب نہیں۔ میرے ڈیرے میں لوگ بعض اوقات گھبرائے ہوئے ہوتے ہیں کہ میری بیوی بیمار ہے۔ میرا بچہ بیمار ہے۔ میرا بھائی بیمار ہے۔ جب ان کو دیکھتا ہوں تو بے دین۔ میں نے بہتوں سے پوچھا ہے کہ تم کو ان کی بے دینی کا بھی غم ہے؟ کہا اس کے بے دین ہونے کا فکر نہیں مگر اس کے درد کا فکر ہے۔ جسمانی امراض، لباس، خوراک، مکانات کا تو فکر ہے لیکن روحانی امراض کا مطلق فکر نہیں۔ کیا انبیاء علیہم السلام دنیا میں عبث آئے تھے؟ شکر کے مقام میں ہر جگہ شکر ادا کرو اور صبر سے بھی کام لیا کرو۔ ہر جگہ خدا تعالیٰ پر ہی دعویٰ کرتے ہو کہ ہمارے ساتھ یہ نہیں کیا یہ نہیں کیا۔ اس کے احسانات و انعامات کو سوچو۔.................

ہاں! ایک بات اور بھی ہے میں نے سنا ہے کہ لاہور میں لیکچر ہوئے ہیں عیسائیوں نے اس پر زور دیا ہے کہ ہماری سلطنت بڑھنے کا سبب اتباع انجیل ہے۔ میں نے انجیل کو دیکھا ہے اسی میں یہ نکتہ حل کیا ہوا ہے کہ شیطان نے حضرت مسیح سے کہا کہ اگر تم مجھ کو سجدہ کرو گے تو میں تم کو دنیا کی تمام سلطنتیں دے دوں گا حضرت مسیح نے کہا کہ میں نہیں لیتا تو دور ہو جا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یورپ والوں نے اس نکتہ کو سمجھ لیا ہے اور شیطان کے آگے سجدہ کر کے وہ سلطنتوں کے مالک ہو گئے ہیں۔ پھر انجیل میں لکھا ہے کہ اونٹ اگر سوئی کے ناکے سے نکل جائے تو یہ ممکن ہے مگر یہ ہو نہیں سکتا کہ خدا تعالیٰ کی بادشاہت میں دولتمند کا گزر ہو۔ پھر ایک اور جگہ مسیح نے فرمایا کہ تم اپنا خزانہ زمین پر نہ رکھو آسمان پر سارا خزانہ رکھو۔ وغیرہ ان یورپین نے دیکھا کہ یوں تو بات نہیں بنتی۔ شیطان کو سجدہ کرنے سے کام چل جاتا ہے۔ مسیح کی تعلیمات کے خلاف تمام معاہدات کو توڑ کر عمل کرنا شروع کر دیا۔ انجیل کی اسی قسم کی چند آیتیں جمع کر کے ایک چھوٹا سا ٹریکٹ نکل جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ مفید ہوگا۔ (البدر 30 جنوری 1913ء)

حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی تقریر

26 دسمبر کو سب سے پہلے ایک چھوٹی سی نظم ڈاکٹر محمد حسین صاحب امرتسر نے پڑھی۔ وہ نظم یادِ محمود میں تھی اور اگرچہ چند بندوں پر مشتمل تھی۔ مگر صاحب دلوں پر وہ کام کر گئی جو بجلی بھی نہیں کر سکتی۔ اس کے بعد مفتی صاحب نے، ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے کے ماتحت سید و آقا، مولا و مطاع حضرت مسیح موعودؑ کی باتیں سنانی شروع کیں۔ (1) کسی شخص نے دنیوی محبت سے تنگ آ کر حضور کو لکھا کہ میں خودکشی کر لوں۔ فرمایا آرام تو نیک بننے سے ملتا ہے اس جہان کے سوا ایک اور جہان بھی ہے۔ زندگی یہیں ختم نہیں ہو جاتی (2) فرمایا ان نشانات کی اشاعت کرو جو خدا تعالیٰ نے میرے ہاتھ پر ظاہر کئے۔

بعدہٗ مولوی صدر الدین صاحب کا لیکچر ہوا۔

(باقی آئندہ)

ڈاکٹر اعجاز قمر

باتیں ان کی یاد رہیں گی

زکریا ورک۔ کینیڈا

افسوس صد افسوس ڈاکٹر اعجاز قمر بھی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ نہایت نافع الناس وجود، بہت ہی پیارا وجود، بے لوث خدمت کا پیکر، دوسروں کا درد سمجھنے والا انسان، عالم باعمل انسان بقضائے الٰہی اس دنیائے ناپائیدار سے کینیڈا میں 21 جنوری 2012ء کو 74 سال کی کامیاب زندگی گزار کر رخصت ہوگیا۔ ہم سب اللہ کے ہیں اور سب نے اللہ ہی کی طرف لوٹ کے جانا ہے۔ ایسے موقعوں پر ہی کہا جاتا ہے **موت العالم موت العالم**۔ ایسا عالم جس کے علم سے ایک زمانہ فیض یاب ہوتا رہا۔

میری ڈاکٹر صاحب سے شناسائی گزشتہ 35 سال پر ممتد تھی۔ ہمارا تعلق احمدیہ نیوز بلیٹن کینیڈا کے ذریعہ ہؤا تھا جس کا میں ستر کی دہائی میں نائب مدیر ہونے کیساتھ کتابت، ٹائپنگ، سائیکلوسٹائلنگ، پرنٹنگ، ترسیل کا ذمہ دار تھا۔ آپ مہینے میں کم از کم ایک بار مجھے ضرور خط لکھا کرتے تھے۔ جب کسی نئی کتاب کا مطالعہ کرتے تو مجھے اطلاع دیتے اسی طرح جب میں کسی نئی کتاب کا مطالعہ کرتا تو اس کا ذکر ان سے کرتا۔ مجھے یاد ہے 1977 کے لگ بھگ ایک دفعہ میں نے یونیورسٹی آف ٹورنٹو کی روبارٹس لائبریری سے ڈاکٹر داؤد رہبر کی کتاب گاڈ آف جسٹس کا مطالعہ کیا تھا۔ میں نے آپ سے ذکر کیا تو کتاب حاصل کرنے کیلئے ماہی بے تاب ہوگئے۔

جب آپ 1973ء میں کینیڈا تشریف لائے تو ملازمت کی وجہ سے ونی پیگ شہر میں سکونت اختیار کی تھی۔ ایک عرصہ دراز تک ونی پیگ جماعت کے صدر رہے اور 1990ء میں جماعت کی پہلی مسجد تعمیر کروائی جو کہ آپکے جملہ کارناموں میں سے سنہری کارنامہ تھا جس پر ہمیشہ فخر کرتے تھے۔ آپ نے ونی پیگ جماعت کی تاریخ رقم فرمائی جو پچھلے سال احمدیہ گزٹ کینیڈا کے صفحات کی زینت بنی تھی۔

1978 میں جماعت احمدیہ کینیڈا کے دوسرے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر ہماری بالمشافہ ملاقات ہوئی تھی۔ اس موقعہ پر آپ نے مجھے اپنا بزنس کارڈ دیا جس پر لکھا تھا کہ آپ صوبائی حکومت میں اگرونومسٹ کے عہدہ پر فائز ہیں۔ یہ بزنس کارڈ میرے پاس سالہا سال تک محفوظ رہا۔ اسی طرح آپ کے خطوط بھی میرے پاس محفوظ رہے۔ جب ریٹائر منٹ کے بعد ٹورنٹو نقل مکانی کر آئے تو میں نے آپ کو مشورہ دیا کہ چین ضرور جائیں۔ چنانچہ اگلے سال آپ چین گئے اور واپسی پر چین کی دلچسپ باتیں سنائی تھیں۔ باتوں باتوں میں ایک بار آپ بیتیوں کا ذکر ہؤا تو میں نے کہا کہ آپ بھی اپنی بیتی لکھیں۔ چنانچہ آپ نے انگلش میں اپنی سوانح عمری قلم بند کی اور چونکہ میری چند کتابیں شائع ہو چکی تھیں اسلئے مجھ سے مشورہ کیا کہ اب پاکستان یا کینیڈا میں کس پبلشر سے چھپواؤں۔ میں نے عزیزم ڈاکٹر طاہر اعجاز سے گزارش کی ہے کہ وہ اس سوانح کی اشاعت کا ضرور اہتمام کرے۔

آج سے دس یا بارہ سال قبل کنگسٹن میں آپ سے ملاقات کا اچانک اہتمام ہوگیا۔ ہؤا یہ کہ میری کنگسٹن کے وفاقی ممبر آف پارلیمنٹ سے اچھی شناسائی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے فون پر میرے ساتھ ذکر کیا تھا کہ ان کی خواہش ہے کہ وفاقی حکومت میں ان کو کسی کمیشن کا ممبر منتخب کیا جائے۔ ایک روز ممبر آف پارلیمنٹ کے والد کے گھر لبرل پارٹی کے سرکردہ افراد کی میٹنگ تھی۔ میں بھی وہاں پر موجود تھا کہ لوگوں کے ہجوم میں اچانک ڈاکٹر صاحب میرے سامنے آگئے۔ جاننے پر معلوم ہؤا کہ آپ اٹاوہ میں مقتدر افراد سے ملاقات کے بعد واپس ٹورنٹو جارہے تھے۔ یوں اس میٹنگ میں کئی ایک ممتاز افراد سے ملاقات اور جان پہچان کا موقعہ پیدا ہوگیا۔ چنانچہ آپ کی کوششیں چند سالوں بعد بار آور ہوئیں اور آپ کو کریمنل انجری کمپین سیشن بورڈ کا ممبر بنا دیا گیا اور وفات کے وقت وفاقی حکومت کے سیٹیزن شپ کورٹ کے جج تھے۔

جن دنوں جلسہ سالانہ کینیڈا مسجد بیت الاسلام کے احاطہ میں ہؤا کرتا تھا تو ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر خاکسار، ڈاکٹر صاحب، اور برکات الٰہی جنجوعہ صاحب نے اکھٹے لنچ کیا اور اس کے بعد ہم جین سٹریٹ کی فٹ پاتھ پر چہل قدمی کرتے ہوئے دور تک نکل گئے جب کہ سڑک کے دونوں طرف مکئی کے سبز لہلاتے ہوئے کھیت تھے۔

دور دور تک سوائے پرندوں کے کوئی انسان نظر نہ آتا تھا۔ ہم تینوں پرلطف باتوں سے اتنا محظوظ ہورہے تھے کہ وقت کا پتہ ہی نہ چلا۔ آج میں اس واقعہ کا سوچ کر کف افسوس ملتا ہوں کہ ہائے دونوں بیش بہا نگینے آسودہ خاک ہیں۔

پیشہ ورانہ زندگی

صغرسنی میں ہی والد کے سایہ عاطفت سے محروم ہوگئے۔ والدہ نے بڑے نعم وناز سے پالا۔ وسکانسن، امریکہ سے پی ایچ ڈی کر کے 1970ء میں واپس پاکستان گئے۔ 1973ء میں کینیڈا کے شہر ونی پیگ میں نقل مکانی کر آئے۔ بیس سال کی ملازمت کے بعد 1995ء میں ریٹائرمنٹ حاصل کرنے کے بعد اپنی اہلیہ بشریٰ صاحبہ کے ہمراہ ٹورنٹو مستقل طور پر آباد ہوگئے۔ 1980/81 کچھ عرصہ اقوام متحدہ کے ماتحت زمبیا کے ملک میں ماہر زراعت کے طور پر برسر روزگار رہے۔ جماعتی امور میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ کافی سالوں تک جماعت کینیڈا کے سیکرٹری امور خارجہ رہے۔ پھر وفاقی حکومت میں دو جگہ ملازمت کی۔ 2007-2009 دو سال تک Criminal Injuries Compensation Board کے ممبر رہے۔ 2010ء میں آپ کو شہریت کی عدالت کا عہدہ تفویض کیا گیا۔ رضا کارانہ خدمات کے عوض آپ کو وفاقی، صوبائی، اور مقامی سطح پر مختلف اعزازات سے نوازا گیا تھا۔ مثلاً ہیومن رائٹس اینڈ ریس ریلشنز سینٹر نے آپ کو گولڈ میڈل عطا کیا تھا۔

قلمی اور صحافی زندگی

ڈاکٹر صاحب موصوف صاحب علم، صاحب فن، صاحب دانش اور قلم کے شہسوار تھے۔ علم و کتاب تصنیف و تالیف اور فکری انداز ان کو دوسروں سے ممتاز بنا دیتی تھی۔ ظاہری تصنع، خوشامد، اور خودغرضی کا شائبہ تک نہ تھا۔ کتاب کا آنکھوں سے نہیں بلکہ دل سے مطالعہ کرتے تھے۔ ایک زمانہ ان کے رشحات اور ان کی ادبی خدمات کا معترف تھا۔ چونکہ خود صاحب علم تھے اسلئے صاحبان علم کے قدردان تھے۔ گفتگو میں ظرافت حسب موقعہ ہوتی۔ زبان دانی قابل رشک تھی۔ شستہ انگریزی میں بلاتکلف لکھتے تھے۔ ایک عرصہ دراز تک روزنامہ ونی پیگ فری پریس میں آپکے ناقدانہ و عالمانہ مضامین اور ایڈیٹر کے نام خطوط شائع ہوتے رہے۔ ونی پیگ ٹیلی ویژن کے کمیونٹی چینل پر آپ نے مختلف امور پر 150 پروگرامز نشر کئے۔ ٹورنٹو آنے کے بعد آپ کے خطوط گلوب اینڈ میل، اور ٹورنٹو سٹار میں شائع ہوتے رہے۔ مجھے یاد ہے جب میں کنگسٹن میں تھا تو ایک روز اخبار گلوب اینڈ میل کا ویک اینڈ ایڈیشن پڑھنا شروع کیا تو دیکھا کہ اس میں ایڈیٹر کے نام آپ کا خط جلی حروف میں شائع ہوا تھا۔ دل وفور جذبات سے چھلک اٹھا۔ ٹورنٹو سٹار کے کمیونٹی ایڈیٹوریل بورڈ کے بھی کچھ سال ممبر رہے۔ ماہانہ احمدیہ گزٹ کینیڈا کے ایڈیٹوریل بورڈ کے فرائض بھی انجام دیئے۔ کسی زمانے میں آپ کے مضامین ہفت روزہ لاہور میں بھی شائع ہوتے رہے تھے۔ 2010ء میں ہفت روزہ لاہور کے ایک شمارہ کے سرورق پر جج بننے کے بعد آپ کی تصویر اور خبر شائع ہوئی تھی۔

آج سے دس سال قبل جب آپ کی اہلیہ کی وفات ہوئی تو آپ نے ایک مفصل، درد بھرا، مہکتی حسین یادوں سے بھرپور مضمون لکھا تھا۔ اسی طرح کچھ سال قبل مدرز ڈے Mothers day کے موقعہ کی مناسبت سے آپکا نہایت عالمانہ محبت بھرا مضمون جس کا مخاطب آپ کی والدہ تھیں احمدیہ گزٹ کے صفحات کی زینت بنا تھا۔ چین کے سفر کے بعد جو سفرنامہ لکھا وہ بھی ان کے رشحات قلم کی اعلیٰ مثال تھا۔

اللہ تعالیٰ نے دو سعادت مند بیٹوں سے نوازا تھا۔ عامر اعجاز (ہیوسٹن)، اور ڈاکٹر طاہر اعجاز دونوں امریکہ میں مقیم ہیں۔ آپ کا لخت جگر ڈاکٹر طاہر اعجاز (ایم ڈی) اس وقت سان ڈیاگو، کیلی فورنیا میں برسر روزگار ہے۔ نہایت سعادت مند بیٹا ہے۔ قد کاٹھ نقش میں باپ کی اصلی تصویر، سچا پرتو جسمانی اور علمی رنگ میں بھی۔ مجھے یاد ہے آج سے سترہ یا اٹھارہ سال قبل جب وہ کنگسٹن کے جنرل ہاسپٹل میں ٹریننگ کیلئے آیا تھا تو میں نے اس کی رہائش کا انتظام کیا تھا۔ جب ہوٹل میں میں اس کو چھوڑنے گیا تو دیکھا کہ سوٹ کیس میں سب سے اوپر جائے نماز رکھا تھا جس کو اس نے سب سے پہلے باہر نکالا۔ میرے استفسار پر جو یادگار جواب دیا وہ آج بھی میرے ذہن پر ثبت ہے۔ کہنے لگا کہ میری والدہ نے نصیحت کی تھی Don't leave home without it۔ یعنی جائے نماز کے بغیر سفر کیلئے نہ نکلنا۔ اس زمانے میں ٹیلی ویژن پر اشتہار آتا تھا کہ امیریکن ایکسپریس کارڈ کے بغیر گھر سے باہر مت جاؤ۔ تو اس مناسبت سے والدہ کی نصیحت بہت ہی موزوں اور اچھی تھی۔ نیک ماں نے بچے کی کتنی اچھی تربیت کی تھی اور بچہ بھی کتنا تابعدار کہ والدہ کی نصیحت کو حرز جاں بنا لیا۔ عزیزم طاہر احمد کے حیات مسیح ناصری اور عیسائیت پر مدلل، سکہ بند انگلش مضامین ریویو آف ریلجنز میں شائع ہوچکے ہیں۔ اور بعض ایک کی افادیت کے پیش نظر ان کو پمفلٹ کی صورت میں بھی شائع کیا جا چکا ہے۔

ڈاکٹر صاحب جیسی متبحر، ہمہ گیر، یگانہ روزگار شخصیت سے ہمارا محروم ہو جانا ایک جانکاہ حادثہ ہے۔ وہ انسان جو سدا بہار، پروقار، انسان پرور، پرمغز اور پرشکوہ تھا مٹی کے تودے کے نیچے دفن ہوگیا۔ یہی نظام قدرت ہے۔ آج وہ کل ہماری باری ہے۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے

ایک عظیم ہستی کی یاد میں!

میرے دادا ماسٹر محمد یاسین (درویش قادیان) کی زندگی کے کچھ ایمان افروز واقعات میرے والد کیپٹن مرزا محمد سلیم کی زبانی

خولہ ہمایوں، ایٹلانٹا جارجیا

والد صاحب سکول ٹیچر تھے۔ سبّی ایک چھوٹا سا شہر بلوچستان میں ہے اور دنیا کا گرم ترین مقام ہے۔ وہاں والد صاحب کا تبادلہ ہوگیا۔ ایک اور احمدی وہاں رہتے تھے انہیں جب والد صاحب کا پتہ لگا تو وہ والد صاحب کو اپنے گھر لے گئے اور ایک کمرہ رہائش کے لیے والد صاحب کو دے دیا اور کہا جب تک آپ کی رہائش کا مستقل انتظام نہیں ہو جاتا آپ ہمارے ساتھ رہائش رکھیں۔ یہ ایک بھائی چارے کی عمدہ مثال تھی۔

ایک دن وہ دوست والد صاحب کو کہتے ہیں کہ میں تو دوکان پر جاؤں گا اور آپ کل فارغ ہیں۔ میں نے ایک ٹھیکیدار کو بلایا ہے۔ میں مکان بنوانا چاہتا ہوں آپ وہاں چلے جائیں اور ٹھیکیدار کو SUPERVISE کریں کہ وہ نشانات ٹھیک نقشہ کے مطابق لگائے اور پھر کھدائی شروع کرے۔ والد صاحب وہاں پہنچ گئے اور ٹھیکیدار بھی آ گیا۔ جب چُونے سے نشانات لگا رہے تھے تو ساتھ والا ہمسایہ بھی آ گیا اور پوچھنے لگا کہ کس کا پلاٹ ہے۔ والد صاحب نے بتایا۔ کہنے لگا وہ تو قادیانی ہے۔ یہ لوگ تو کافر ہوتے ہیں۔ لہٰذا جو دیوار اُن کے گھر کی طرف تھی وہ اُس نے کہا ہمارے گھر کو touch نہ کرے کیونکہ ہمارا گھر پلید ہو جائے گا۔ مجبوراً کام روکنا پڑا۔ شام کو جب وہ دوست اپنے کام سے فارغ ہو کر گھر آیا تو اس نے پوچھا کام کیسا ہوا تو والد صاحب نے ساری کہانی انہیں سنا دی۔ رات تقریباً چار بجے اس مالک مکان نے والد صاحب کو اٹھایا اور کہا کہ ماسٹر صاحب آئیں تہجد پڑھ لیں اور دعا کریں۔ جب نماز و دعا سے فارغ ہوئے تو صبح کی نماز کی اذان ہوئی ساتھ ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ جب دروازہ کھولا تو وہ مالک مکان جس نے کہا تھا کہ میرے گھر کے ساتھ آپکی دیوار نہیں لگنی چاہیے، پریشانی کے عالم میں کھڑا تھا۔ اس نے بتایا کہ یک لخت میرے گھر کی وہ دیوار جو آپکے گھر کی طرف ہے پھٹ گئی ہے اور بنیاد سے شروع ہو کر دوسری منزل تک دیوار میں تقریباً 6 انچ کا فاصلہ بڑھ گیا ہے۔ کسی وقت بھی میرا مکان گر سکتا ہے آپ آئیں اور فوری طور پر میرے گھر کی دیوار کے ساتھ دیوار بنائیں تاکہ میرا گھر گرنے سے بچ جائے ۔

غیر ممکن کو یہ ممکن میں بدل دیتی ہے اے میرے فلسفیو زورِ دعا دیکھو تو

والد صاحب سناتے ہیں کہ آٹھ جماعت پاس کر کے میں ایک سکول میں ٹیچر لگ گیا۔ یہ سکول انکے گھر سے چند میل کے فاصلے پر تھا۔ پیدل سکول جاتے اور پیدل ہی واپس آتے تھے۔ راستہ میں ایک کنواں تھا جہاں تین چار گاؤں کے لوگ پانی بھرنے آتے تھے۔ سناتے ہیں گرمی کا موسم تھا اور سکول سے واپسی تھی۔ پیاس کی وجہ سے وہ کنواں پر پانی پینے کی خاطر رُک گئے۔ لوگ جانتے تھے انہوں نے والد صاحب کو کہا کہ تم کافر ہو ہمارا کنواں پلید ہو جائے گا اس لیے پانی نہیں پلا سکتے۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ یہ بات میرے دل کو بری لگی لیکن میں نے سوچا کہ چند میل کا فاصلہ گھر تک ہے تو میں گھر جا کر پانی پی لوں گا۔ فرماتے ہیں کہ میں سو قدم کے فاصلے پر تھا تو ایک بڑی زوردار دھڑم کی آواز آئی۔ کہتے ہیں میں نے مُڑ کر دیکھا تو کنواں پر لوگ انتہائی پریشان تھے اور panic کا عالم تھا لیکن میں نے واپس جانا مناسب نہ سمجھا اور گھر آ گیا۔ فرماتے ہیں کہ شام کا وقت تھا تقریباً دو سو افراد گھر پر مجھے ملنے آئے۔ میں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگے کہ ہمارا کنواں collapse کر گیا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ آپ کی بددعا لگی ہے اور کنواں گر گیا ہے۔ اور کہا کہ ہم سب احمدی ہونا چاہتے ہیں لیکن ہماری ایک شرط ہے اور وہ یہ کہ آپ ہمارے ساتھ کنواں پر چلیں اور جیسے بددعا کی تھی اور کنواں گر گیا ویسے ہی اب دعا کریں اور ہمارے دیکھتے دیکھتے کنواں اپنی اصلی حالت میں آ جاوے۔ والد صاحب نے انہیں کہا کہ جو آپ کے ساتھ ہوا ہے وہ کافی ہے اور اگر آپ سمجھتے ہیں کہ وہ کافی نہیں ہے تو پھر آپ سب واپس چلے جائیں ہمیں اس طرح کے احمدی نہیں چاہیے اور وہ سب لوگ اپنے گھروں کو چلے گئے۔

والد صاحب نوشکی صوبہ بلوچستان میں ٹیچر کی ملازمت کرتے تھے۔ ایک

شیعہ ٹیچر والد صاحب کے زیرِ تبلیغ تھے۔ایک دن والد صاحب کو ملنے آئے اور بتایا کہ میرے بیٹے جو چھٹی کلاس کا طالب علم ہے کی دونوں آنکھوں کی بینائی جاتی رہی ہے۔بہت پریشان تھے۔والد صاحب نے انہیں کہا کہ ہمارے خلیفہ کو خط لکھیں اور اپنا تعارف بھی کروادیں تو اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ بچہ کی آنکھیں بحال ہو جائیں گی۔وہ کہنے لگے کہ میرا اُن سے تعارف نہیں آپ ہی دعائیہ خط لکھ دیں۔چنانچہ والد صاحب نے قادیان حضور کی خدمت میں دعائیہ خط ارسال کر دیا۔تقریباً دس روز بعد جواب آیا جس میں لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی گئی ہے۔انشاء اللہ بینائی واپس آجائے گی۔اُس ماسٹر کو وہ خط دے دیا گیا۔اگلے روز وہ خوشی سے اچھلتا ہوا والد صاحب کو ملنے آیا اور اس نے بتایا کہ دونوں آنکھیں ٹھیک ہوگئی ہیں۔نوشکی ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔یہ خبر سارے گاؤں میں پھیل گئی۔ایک محفل میں جہاں یہ استاد بھی موجود تھا اِس واقعہ کا ذکر ہوا۔اہلِ خانہ نے اور دیگر افراد نے جماعت کے خلاف بہت کچھ بولا۔یہ استاد بھی دشنام طرازی میں اُن کے ساتھ شامل ہوگیا۔اگلے دن یہ خبر والد صاحب تک بھی پہنچ گئی۔والد صاحب اس استاد کے گھر گئے اور اس سے دریافت کیا کہ آیا وہ بھی حضرت صاحب کو گالیاں دے رہا تھا۔اُس نے اقرار کرلیا کہ اس سے غلطی ہوگئی ہے۔

والد صاحب نے اسے کہا کہ حضور تو تمہارے محسن تھے۔انہوں نے تمہارے بیٹے کے لئے دعا کی اور وہ بھی ٹھیک ہوگیا پھر کس طرح تم نے انہیں گالیاں دیں۔اُس نے پھر اقرار کیا کہ غلطی ہوگئی ہے۔والد صاحب نے اس سے کہا کہ اب غلطی بُھگتنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔دوسرے دن وہ استاد پھر والد صاحب کو ملنے آیا اور بڑی گھبراہٹ میں تھا اور اس نے بتایا کہ میرے بیٹے کی بینائی پھر ختم ہوگئی ہے۔اور گزارش کی کہ والد صاحب پھر حضور کو دعائیہ خط لکھیں۔والد صاحب نے کہا کہ اب تو آپکا تعارف ہو چکا ہے اس لیے خود ہی خط لکھیں اور خط میں ذکر کردیں کہ پہلے بھی دعا کے لیے خط لکھا تھا اور بینائی ٹھیک ہوگئی تھی۔اُس کے بعد میں نے آپ کو گالیاں دیں اور دوبارہ نظر آنا بند ہوگیا لہٰذا حضور معاف فرمائیں۔اُس نے حضور کو خط لکھا اور دعا کی درخواست بھی کردی تقریباً دس روز بعد خط کا جواب آگیا۔جس میں حضور نے لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ آپکو معاف فرمائے اور بچے کی بینائی اللہ تعالیٰ بحال فرمائے۔خط کے اگلے روز پھر بینائی بحال ہوگئی۔والد صاحب نے سوچا کہ اس شخص نے دومرتبہ معجزہ دیکھا ہے تو اسے بیعت کے لیے کہہ دیا۔اُس شخص نے جواب دیا کہ میں جلسہ سالانہ پر قادیان جاؤنگا اور وہاں حضور کے ہاتھ بیعت کرونگا۔والد صاحب اس کو قادیان جلسہ پر اپنے ساتھ لے گئے۔وہاں وہ تین دن رہا اور بغیر بیعت کئے واپس نوشکی آگیا۔والد صاحب کے پوچھنے پر کہنے لگا کہ میری تسلی نہیں ہوتی اس لیے بیعت نہیں کی۔چند روز بعد اس کی وفات ہوگئی۔

ایک صحافی والد صاحب کے زیرِ تبلیغ تھا۔احمدیت کے متعلق اسے تمام مسائل بتادیئے گئے اور وہ قائل ہوگیا تھا کہ قرآن، حدیث اور عقل و دانش کے حساب سے ہم درست ہیں۔والد صاحب کی بہت عزت کرتا تھا اور یا حضرت کہہ کر والد صاحب کو پکارتا تھا۔کہتا تھا بیعت کے لیے ہمت چاہیے اور اعتراف کرتا تھا کہ مجھ میں ابھی اتنی ہمت پیدا نہیں ہوئی۔اسکی ایک بیٹی امریکہ میں رہتی تھی۔اُسے پیٹ میں کینسر ہوگیا اور بہت پھیل گیا۔ڈاکٹروں نے بتایا کہ دو، تین ماہ تک زندہ رہے گی۔اُس نے والد صاحب کو دعا کے لیے درخواست کی۔والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اسکے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور خصوصی دعا کی اور اللہ تعالیٰ سے احمدیت کی خاطر اسکے صحت مند ہونے کا معجزہ مانگا اور فرماتے تھے کہ وہ دعا جو میں نے اس کے لئے کی وہ اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے برابر تھی۔اللہ تعالیٰ نے والد صاحب کی دعا سنی اور اسے شفا بخشی اور وہ ایسے ٹھیک ہوگئی جیسے کینسر کبھی ہوا ہی نہیں۔اس کے ڈاکٹر بھی حیران تھے اور پوچھتے تھے کیا علاج کیا ہے کہ کینسر کی کوئی علامت باقی نہیں رہی۔وہ لڑکی پاکستان گئی اور ماں بیٹی نے والد صاحب کا شکریہ کرنے کے لئے ملاقات کی اجازت چاہی۔صحافی صاحب نے ملاقات کا دن اور وقت کا تعیّن والد صاحب سے کرلیا۔کہنے لگا یا حضرت جب میری بیوی اور بیٹی ملاقات کے لیے آئیں تو ان سے احمدیت کی بات نہیں کرنی کیونکہ وہ احمدیت کو پسند نہیں کرتیں۔والد صاحب جب کبھی یہ واقعہ سناتے تو آبدیدہ ہو جاتے تھے کہ میں نے اِس شدت سے ان کے لئے دعا کی کہ گویا اپنے آپ کو ہلاک کرنا تھا اور وہ احمدیت کا یہ کہتے ہیں کہ ذکر نہ کرنا۔ملاقات کے بعد وہ لڑکی واپس امریکہ چلی گئی۔اس کا کینسر پھر پھوٹ پڑا اور واپسی کے دو ماہ بعد اسکی وفات ہوگئی۔

والد صاحب کو قرآن کریم کے ساتھ بڑی محبت تھی۔جب غور کرتے تھے تو جو تفسیر قرآن مجید کے حاشیہ میں بڑے خوبصورت نوٹ لکھتے رہتے تھے۔وہ قرآن آج بھی ہمارے پاس محفوظ ہے۔والد صاحب کے مولانا غلام رسول صاحب راجیکی کے ساتھ بڑے قریبی تعلقات تھے۔والد صاحب نے سنایا کہ ایک روز ملاقات کے لئے میں راجیکی صاحب کے گھر گیا تو آپ نے فرمایا کہ اپنا کرتہ اوپر کرکے سینہ تک کپڑا ہٹا دوں۔میں نے حکم کی تعمیل کی۔مولوی صاحب نے اپنا کرتہ بھی ہٹا دیا اور پھر مجھے گلے لگا لیا اور اپنے سینہ کو میرے سینہ کے ساتھ اچھی طرح رگڑا اور فرمایا کو جو حکم ہے کہ نماز با جماعت کے وقت کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوں اُس میں بھی فلاسفی ہے اور ایک دوسرے کی نیک خواہشات اور تصورات ایک جسم سے دوسرے جسم میں سرایت کر جاتے ہیں۔یہ میں نے اس لیے کیا ہے۔والد صاحب فرماتے ہیں اُس دن کے بعد قرآن

مجید کی تفسیر سمجھنے میں مجھے کبھی دشواری محسوس نہیں ہوئی۔

والد صاحب سکول میں بطور ماسٹر تعینات تھے۔انہیں ایک پھوڑا نکل آیا جس کو فیسچولا کہتے ہیں۔یہ پھوڑا انتہائی خطرناک ہوتا ہے اور اکثر جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔سنایا کرتے تھے کہ اُس حالت میں بڑی تکلیف بھی تھی۔اس حالت میں فرشتہ آیا اور اُس نے بتایا کہ میں آپکی جان نکالنے آیا ہوں۔والد صاحب نے فرشتہ کو بتایا کہ میرے بچے چھوٹے ہیں اور عرض کیا کہ اگر ممکن ہو تو مجھے کچھ مہلت دی جائے۔اُس فرشتہ نے سوال کیا کہ آیا آپ نے جماعت کی کوئی خدمت کی ہے۔والد صاحب نے فرمایا کہ میں 36 سال سیکرٹری تحریک جدید رہا ہوں۔فرشتہ نے کہا کہ تمہیں 36 سال مزید مہلت دی جاتی ہے۔اُس کے بعد والد صاحب 36 سال زندہ رہے۔اور آخری سال ان کے رویہ سے ظاہر ہوتا تھا کہ انہیں بھی احساس ہے کہ اب میرا آخری سال چل رہا ہے۔91 سال کی عمر میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔صرف کھانسی آئی ہے اور چند سیکنڈ میں وہ اس دنیا سے کوچ کر گئے۔والد صاحب دونوں آنکھوں سے معذور تھے اور بڑا لمبا عرصہ بغیر بینائی کے وقت گزارا۔کبھی اللہ تعالیٰ سے انہوں نے شکوہ نہیں کیا۔دو چیزوں کی بڑی غیرت رکھتے تھے اور اس کے خلاف ایک لفظ سننا پسند نہیں کرتے تھے۔ایک اللہ تعالیٰ کی ذات اور دوسری خلافت۔

والد صاحب بہت چھوٹے تھے تو آپکے والد صاحب وفات پا گئے۔آپکی والدہ صاحبہ بیوی جی کے نام سے مشہور تھیں یعنی قرآن کریم پڑھانے والی خاتون۔چند گاؤں جو قریب تھے وہاں سے بچے قرآن پڑھنے آپ کے پاس آتے تھے۔آپ نے پیدل دو حج کئے تھے۔اٹھارہ سال کی عمر میں والد صاحب نے احمدیت قبول کر لی۔اس دنیا میں والد صاحب کے علاوہ کوئی رشتہ دار ہماری دادی کا زندہ نہ تھا۔احمدیت کی سخت مخالف تھیں۔وہ قصہ میں پھر کبھی منظر عام پر لاؤں گا۔

والد صاحب گاؤں میں والدہ کے پاس رہتے تھے۔گھر میں ایک بکری تھی جو دن کے وقت جنگل میں خود بخود چلی جاتی تھی اور شام کو واپس آجاتی تھی۔ایک دن ایسا ہوا کہ وہ بکری واپس نہ آئی۔گاؤں میں مشہور ہو گیا کہ والد صاحب کی بکری جنگل سے واپس نہ آئی۔والد صاحب سناتے ہیں کہ میں گلی سے گزر رہا تھا تو ایک خاتون جو والدہ کی بہن بنی ہوئی تھی۔اُس نے والد صاحب کو اپنے پاس بلایا اور بکری کے متعلق دریافت کیا۔پوچھنے کے بعد کہنے لگے کہ مرزا نبی بنا پھرتا ہے اس کو کہو کہ تمہاری بکری واپس لا دے۔کیا وہ اتنا بھی نہیں کر سکتا۔کہتے ہیں چونکہ والدہ کی ہمشیرہ بنی ہوئی تھی میں نے کچھ جواب نہ دیا اور گھر چلا گیا۔کہتے ہیں کہ اگلے روز میں گلی میں سے گزر رہا تھا تو انکے گھر کے سامنے بہت سارے لوگ جمع تھے۔میں نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے تو انہوں نے بتایا کہ ان کی بھینس جنگل گئی تھی اور واپس نہیں آئی۔والد صاحب سیدھا گھر چلے آئے۔کہتے ہیں دو تین دن بعد گلی سے گزر رہا تھا تو اس خاتون نے مجھے بلایا۔چونکہ والدہ کی ہمشیرہ بنی ہوئی تھی احتراماً میں اس کے پاس چلا گیا۔کہنے لگی تمہاری بکری ملی کہ نہیں۔والد صاحب نے کہا نہیں ملی۔وہ خاتون کہنے لگی کہ نبی بنا پھرتا ہے پھر کیوں کوئی معجزہ نہیں دکھاتا۔اس کا خاوند بھی ساری بات سن رہا تھا اندر سے آواز آئی او کم بخت تو نے پہلے معجزے نہیں دیکھے کہ ابھی اور معجزہ مانگتی ہو۔اور پھر بہت ساری گالیاں بھی اپنی بیوی کو دیں اور وہ دروازہ بند کر کے اندر چلی گئی۔

گاؤں میں ایک سے دو احمدی ہو گئے تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب ہمیں گاؤں والوں کو تبلیغ کرنی چاہیے۔چنانچہ والد صاحب اور انکے ساتھی دونوں احمدی مولانا محمد کے پاس گئے اور کہا کہ مولانا' گاؤں والوں نے ساری ذمہ داری آپ پر ڈال دی ہے کہ اگر آپ احمدی ہو جائیں تو وہ سب احمدی ہو جائیں گے۔لہٰذا روزِ حشر ان گاؤں والے لوگوں کا بوجھ بھی آپ کے کندھوں پر پڑے گا۔لہٰذا آپ غور کریں۔دو مسائل پر بات چیت ہوئی۔وفات مسیح تو وہ آدھے گھنٹے میں ہی سمجھ گئے۔خاتم النبیین چند گھنٹوں میں سمجھ گئے اور اُدھر ہی احمدی ہونے کا اقرار کر لیا۔معمر آدمی تھے۔گاؤں والوں کو بتایا گیا کہ آپکے کہنے کے مطابق مولوی محمد نے تو بیعت کر لی ہے۔اب آپ لوگ بھی حسبِ وعدہ احمدی ہو جائیں تو گاؤں والوں نے کہا کہ مولوی تو سترا بہترا ہو گیا ہے۔اس لئے یہ قبول نہیں ہے۔اللہ کا کرنا مولوی محمد بیمار پڑ گئے اور انکی حالت کافی نازک ہو گئی۔واضح ہو رہا تھا کہ وہ اب چند گھنٹے یا ایک دو دن کے مہمان ہیں۔گاؤں والے ان کے پاس گئے اور انہیں کہا کہ آپ ساری عمر مسلمان رہے اور مرنے سے پہلے کافر ہو گئے اور کہا کہ ہم وفد کی صورت میں آپکے پاس آئے ہیں اور آپکو بتانا چاہتے ہیں کہ اگر آپ اِسی حالت میں مر گئے تو آپ کا نمازِ جنازہ کوئی نہیں پڑھائے گا اور کفن دفن بھی مشکل ہو جائے گا۔مولوی صاحب نے گاؤں والوں کو جواب دیا کہ جب میں مر جاؤں تو آپ لوگوں پر کوئی بار نہیں ہے۔میری میت کو اٹھا کر گلی میں پھینک دینا۔کُتے کھائیں، بلیاں کھائیں یا کوّے کھائیں۔نمازِ جنازہ کی فکر نہ کریں۔اس کے بعد کلمہ طیّبہ پڑھا۔آنکھیں بند کیں اور اس دنیا سے کوچ کر گئے۔گاؤں والے کہتے تھے کہ ساری زندگی میں بہت لوگ مرتے دیکھے ہیں لیکن اتنی پُرسکون موت کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔

مولوی صاحب کے رشتہ داروں نے نہلا کر کفن باندھ دیا اور میّت اٹھا کر قبرستان لے گئے۔ظہر کا وقت تھا۔غالباً دونوں احمدی باہر گئے ہوئے تھے لہٰذا نماز

پڑھانے والا کوئی نہیں تھا۔ظہر سے عصر کا وقت ہوگیا پھر مغرب کا وقت ہوگیا اور مغرب اور عشاء کے درمیان دو گھوڑسوار ادھر سے گزرے۔انہوں نے پوچھا کیا معاملہ ہے۔انہیں بتایا گیا کہ یہ شخص قادیانی تھا،فوت ہوگیا ہے اوراس کی نمازِ جنازہ پڑھانے والا کوئی نہیں اس لیے تدفین بھی نہیں کر سکتے۔ان گھوڑسواروں نے کہا کہ الحمد للہ ہم احمدی ہیں۔انہوں نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور تدفین شروع ہوئی۔لوگ مصروف ہوگئے تو وہ گھوڑسوار غائب ہوگئے۔اگلے روز گاؤں میں مشہور ہوگیا کہ مولوی محمد فوت ہوگیا ہے۔کوئی اسکی نماز جنازہ پڑھانے والا نہیں تھا۔فرشتے آئے نماز جنازہ پڑھائی اور غائب ہوگئے۔یہ سب کچھ گاؤں والوں کا مشاہدہ تھا لیکن کوئی شخص احمدی نہ ہوا۔

میں گلشنِ اقبال کراچی میں مقیم تھا۔والد صاحب بھی میرے پاس رہتے تھے۔ہمارے محلّہ میں ایک پولیس آفیسر اکرام صاحب رہتے تھے۔اُن کے والد صاحب میرے والد صاحب کے دوست تھے۔آپس میں بڑی بے تکلفی تھی۔جب والد صاحب کے دوست ہمارے گھر آتے تھے تو بڑی پُر تکلف چائے سے انہیں نوازا جاتا تھا۔والد صاحب کو تبلیغ کا بڑا شوق تھا لہٰذا وہ اپنا شوق بھی پورا کر لیتے تھے اور ان کی گپ شپ بھی ہوجاتی تھی۔والد صاحب کچھ عرصہ کے لیے چھوٹے بھائی جو کراچی میں ہی رہتے تھے ان کی طرف چلے گئے۔انکے دوست ملاقات کے لیے آئے۔حسب عادت پُر تکلف چائے انہیں پیش کی۔انہوں نے بڑی بے چینی سے والد صاحب کے متعلق پوچھا۔کہنے لگے میں نے ایک خواب دیکھا ہے اسکی سمجھ نہیں آئی۔میں آپکے والد صاحب سے تعبیر پوچھنے آیا تھا۔چنانچہ وہ خواب انہوں نے مجھے سنایا۔خواب بہت واضح تھا اور کوئی خاص تعبیر کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

چنانچہ وہ خواب سناتے ہیں کہ میں اپنے آپ کو مسجد نبوی میں دیکھتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ مسجد کے اندر ایک چارپائی پڑی ہے۔اُس پر رسول ﷺ لیٹے ہیں اور اوپر سفید چادر تانی ہوئی ہے۔اور چادر انتہائی صاف ہے۔اس پر کوئی داغ دھبہ نہیں ہے۔کہتے ہیں میں بڑی کوشش کرتا ہوں کہ رسول کریم ﷺ کے جسم کا کوئی حصہ میں دیکھ لوں اور بڑی کوشش کرتا ہوں لیکن ایک ناخن تک نہیں دیکھ سکتا۔پھر میں محسوس کرتا ہوں کہ سب لوگ چلے گئے ہیں اور میں اکیلا ہی مسجد نبوی میں رہ گیا ہوں۔میں سوچتا ہوں کہ مجھے بھی باہر چلے جانا چاہیے۔یہ نہ ہو کہ کوئی ناراض نہ ہو کہ میں اندر کیا کر رہا ہوں۔کہتے ہیں تیزی سے میں باہر کی طرف جا رہا ہوں اور جب آپکے حجرہ کے پاس سے گزرتا ہوں تو آپ ایک کھڑکی سے اپنا چہرہ مبارک باہر نکال کر کہتے ہیں کہ نہ آپ نے میرے پیغامبر کو پہچانا اور نہ ہی پیغام کو سمجھا ہے اور کہتے ہیں پھر میری آنکھ کھل گئی۔

والد صاحب کا دستور تھا کہ جس کو تبلیغ کرتے تھے اسکے لیے دعا بھی بہت کرتے تھے۔اور غالباً یہ اُن دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ ایسی واضح خواب انہوں نے دیکھی۔خواب سننے کے بعد بڑی شدّت سے میں نے رونا شروع کردیا۔اور میں اپنے مولا کریم کو کہتا تھا کہ اتنی واضح خواب اور یہ بزرگ کہتے ہیں کہ مجھے سمجھ نہیں آئی۔انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ خواب آپکی سمجھ میں آگئی ہے۔میں نے کہا ہاں آگئی ہے۔کہنے لگے بتاؤ کیا سمجھے ہو۔میرا رونا اور بھی تیز ہوگیا۔پھر میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور انہیں کہا کہ میں بہت چھوٹا ہوں۔آپ کے بچوں کے برابر ہوں اس لیے مناسب نہیں کہ خواب کی تعبیر میں آپ کو سمجھاؤں۔آپ والد صاحب سے پوچھیں تو اچھا ہوگا۔انہوں نے اصرار کیا بہت زیادہ تو جو میں سمجھا اُن کو بتادیا۔میں نے انہیں بتایا کہ طبعًا آپ شریف انسان ہیں۔پانچ وقت آپ مسجد میں باجماعت نماز ادا کرتے ہیں۔آپکی شرافت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے خاص فضل آپ پر کیا ہے اور ایسی شاندار خواب آپکو دکھلائی ہے۔آپ دل بڑا کرلیں۔اور پھر میں تعبیر آپکی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔میں نے انہیں کہا جو آپ نے بتایا ہے انتہائی خواہش کے باوجود آپ رسول کریم ﷺ کا ایک ناخن تک نہیں دیکھ سکے۔اس سے مراد یہ ہے کہ رسول پاک ﷺ جو چلتا پھرتا اسلام ہے ان کے پیغام کو آپ نے ایک ناخن کے برابر بھی نہیں پہچانا باوجودیکہ آپ روزانہ پانچ مرتبہ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے جاتے ہیں۔

جو آپ نے دیکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اوپر چادر اوڑھی ہے۔اُس پر کوئی داغ نہیں۔اس سے مراد یہی ہے کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو بغیر کسی داغ کے ہے اور رسول پاک سے منسلک ہے۔وہ جو آپ نے دیکھا سب چلے گئے ہیں اور میں اکیلا رہ گیا ہوں اور جلدی باہر جانے کے لیے کوشاں ہوں۔وہ بتاتا ہے کہ آپکی زندگی کا سفر تقریباً ختم ہونے کو ہے۔جو رسول پاک ﷺ نے آپ کو خود فرمایا کہ نہ آپ نے پیغامبر پہچانا اور نہ ہی پیغام کو سمجھا ہے۔مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا یہی دعویٰ ہے کہ میں حضرت محمد ﷺ کا پیغام لے کر آیا ہوں۔انہیں آپ نے نہیں پہچانا اور جو وہ پیغام لے کر آئے ہیں وہ آپ نے نہیں سمجھا۔یہ سننے کے ساتھ ان کا رنگ زرد پڑ گیا اور لگتا تھا کہ وہ اس دنیا میں نہیں ہیں۔چند سیکنڈ بعد ان کے منہ سے نکلا کہ آپ درست کہہ رہے ہیں اور پھر یوں لگا کہ وہ اس دنیا میں واپس آگئے ہیں۔تب انہوں نے کہا کہ شاید آپ غلط ہوں۔وہ اٹھ کر کھڑے ہوگئے اور پھر اپنے گھر تشریف لے گئے۔اس کے بعد ان سے ملاقات نہ ہوئی۔اچانک ایک دن خبر آئی کہ وہ اس دنیا سے کوچ کر گئے ہیں (دو تین ہفتہ ملاقات کے بعد)۔

(ٹائپ: منشاد احمد)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی یاد میں

سیارہ حکمت

روح پر چھائے ہیں بے نام غموں کے سائے، آنکھیں اشکبار ہیں
موسمِ بہار ہے۔ پر دل میرا بےقرار ہے
خموش ہیں طائرِ بےنوا، اداس ہے شجر شجر
میرے چارہ گر! مجھے کیا خبر۔ میرے دل میں ضبط۔ ہیں کتنے غم
جنہیں میں نے کبھی کہا نہیں اور تو نے کبھی سنا نہیں۔
کہ ملال ہے مجھے گزرے ماہ و سال کا
کہ نصیب میں نہ تھا تیرا قرب
رہا میں مبتلائے غمِ ہستی روز و شب
پر لئے لئے دل میں ہمیشہ تجھے ملنے کی تڑپ
رہِ زندگی میں رواں دواں
پر لئے آس تیری دید کی اب میری چشمِ منتظر!
تھے غمِ جاناں۔ غمِ ہمدم بےشمار
اور درمیان تھے فاصلے مانندِ بحرِ بےکنار
تیرا قرب میں نہ پاسکا تیری محفلیں رہیں اجنبی
اور مانندِ سیماب میں سدا رہا مضطرب
پھر ایک دن!
اچانک تم چل دیئے۔ یوں منہ لپیٹ کر!

نئی مسافتوں کے دیس میں۔ نئی منزلوں کی تلاش میں
میرے ہمدم!
تجھے کیا پتہ کہ میں رو دیا مانندِ طفلِ کم سن کہ
میرا باپ مجھ سے بچھڑ گیا۔ میرے سر سے سایہءِ شفقت چھن گیا
میرے دل کے ٹکڑے ہوگئے! میرے زخم ہرے ہوگئے
اک اجنبی شہر میں مجھ کو اکیلا چھوڑ کر!
تُو! سدا کیلئے بچھڑ گیا۔ تو بہت دُور چل دیا!
پر یاد ہیں سب ذرا ذرا تیری شفقتیں، تیری الفتیں
تیرا دل تھا مسکنِ رنجِ غیر ورسن۔ تُو مہر و محبت کا امین
تُو دُور رَہ کر بھی پاس ہے
پر میرا دل تیرے ذکر سے آباد ہے
تُو جو دے گیا مجھے درسِ ہمت و عزم
مجھے اشک پینا ہے۔ کرنا ہے ضبطِ غم
کہ تُو الفتوں کا تھا پیامبر! تجھے رنجشوں سے نہ تھی غرض
مجھے جانا ہے نگر نگر
تیرا پیام لئے گھر گھر
نفرت نہ کسی سے۔ ہر اک سے محبت کر

یقین۔ یقین۔ یقین

ایک شخص نے حضرت مسیح موعودؑ سے سوال کیا کہ آپؑ کی غرض دنیا میں آنے سے کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ "میں اس لئے آیا ہوں۔ تا لوگ قوتِ یقین میں ترقی کریں"۔ (ملفوظات جلداوّل، ص 1)

خولہ ہمایوں

یہ زندگی نہ جانے کہاں دور ڈوب گئی ہے، دور بہت دور
بے جان کر گئی ہے، بے بس کر گئی ہے، دور بہت دور
وہ مسکان لے گئی ہے، وہ چمک لے گئی ہے، دور بہت دور
عجب حال کر گئی ہے، دور بہت دور
بس رہ گیا ہے ایک یقین یقین یقین
آئے گا وہ دن ضرور، وہ دن نزدیک بہت نزدیک

جب اندھیرا چھٹ جائے گا، بہار آجائے گی، نزدیک بہت نزدیک
بیمار کو آجائے گی شفا ہاں شفا، نزدیک بہت نزدیک
مشکل رفع ہوجائے گی، رفع ہاں رفع، نزدیک بہت نزدیک
آجائے گی بشریٰ، جلد بہت ہاں جلد، نزدیک بہت نزدیک
پھر نکلے گی صدا دل سے، ہاں دل سے، نزدیک بہت نزدیک
فَبِاَیِّ اٰلَاءِ ربکما تُکَذِّبٰن۔ فَبِاَیِّ اٰلَاءِ ربکما تُکَذِّبٰن۔

امّت

اے خاصائے خاصان رسل وقتِ دعا ھے   امت پہ تیری آکے عجب وقت پڑا ھے

رشید ارشد، لاس اینجلس

مولانا الطاف حسین حالؔی کی یہ دعائیہ نظم تقریباً سو سال پرانی ہے جس میں انہوں نے امت کی بڑی دردناک تصویرکشی کی ہے۔ اُس وقت ہم آزاد نہیں تھے۔ اب ہمیں آزاد ہوئے 65 سال سے اوپر ہو گئے ہیں۔ اب ہماری اپنی حکومت ہے۔ اپنی قانون ساز اسمبلی ہے۔ بحمد للہ عدالتوں کے جج اور وکیل مسلمان ہیں۔ انتظامیہ میں پٹواری سے لے کر مرکزی سیکریٹری تک تقریباً ہر افسر کلمہ گو ہے۔ جید عالم ہیں جن کا حکومت میں عمل دخل اور اثر رسوخ ہے۔ ذرائع ابلاغ اپنے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ مولانا حالؔی کی دعا قبول ہوگئی ہے!

لیکن اگر وہ آج ہمارے درمیان ہوتے کیا دیکھتے؟ جب سے ہم آزاد ہوئے ہیں سیاست دان طاقت اور دولت کے حصول کے لیے آپس میں دست و گریباں ہیں۔ پچھلی تین دہائیوں میں تو ہماری سیاست میں شرم و حیا اور انسانی اقدار کا جنازہ نکل چکا ہے۔ رشوت کا لین دین جو قرآنی تعلیم کے مطابق گناہ ہے، اب کوئی عیب سمجھا جاتا ہے نہ جرم۔ جو لوگ منصف کے منصب پر فائز ہیں وہ رشوت، اثر و رسوخ اور جانب داری سے فیصلے کرتے ہیں۔ سزا صرف اس کے لیے ہے جس کا جرم غربت ہے۔ امت پر پولیس کا تشدد اس قدر بھیانک ہے کہ دوزخ کے داروغے غالباً یہی لوگ ہوں گے۔ پہلے مسلمان وڈیرے غریب مسلمان عورتوں کی عصمت دری کر کے ان کو ننگا کر کے گاؤں میں پھراتے تھے اب عام مسلمان بھی اس ''تفریح'' میں شامل ہو گئے ہیں اور ویڈیو بھی بننے لگی ہیں۔ اس قبیح فعل میں قانون کے کلمہ گو محافظوں کا تعاون بھی شامل ہے۔ چوری ڈکیتی، قتل، اغوا برائے تاوان اور دیگر بھیانک جرائم کی خبریں آئے دن ٹی وی پر دکھائی جاتی ہیں۔ علماء کرام جن کا کام امت کی تربیت ہے اقتدار اور دولت کے نشے اور رسہ کشی میں مگن ہیں۔ خوفِ خدا سے اس حد تک دور ہیں کہ حاجیوں کی رقم پر ہاتھ صاف کرنے میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے۔ قرآن کے احکام کو تو پس پشت ڈالتے ہی ہیں، توہینِ قرآن کا بہانہ بنا کر غریب، معصوم اور کم سنوں کو بلاس فیمی قانون میں ملوث کر کے مالی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ملک میں سماوی آفات، دہشت گردی کی وبا، غربت، جہالت، وبائیں اور مہلک حادثات ایک الگ داستان ہے۔ کراچی کی گارمنٹس فیکٹری کی آگ جہنم کا نقشہ دکھا گئی ہے۔ یہ آگ بھی اسلامی تعلیم اور قانون کی نافرمانی، فرائض سے غفلت اور مزدور کے حقوق سے چشم پوشی کے نتیجے میں لگی۔ کیا ہم قیامت کے روز اسی آگ میں نہیں جلائے جائیں گے؟ ملک کے ہر حصے میں ایسے ہی غریب جلتے ہیں اور مرتے ہیں لیکن کوئی پوچھنے والا نہیں۔

امت کی جن برائیوں اور گناہوں کا ذکر اوپر آیا ہے اس میں ہم نے جھوٹ کو دانستہ الگ رکھا ہے۔ اور یہی سب برائیوں کی جڑ ہے۔ رسولِ عربی ﷺ نے ایک صحابی کو ہدایت فرمائی تھی کہ وہ جھوٹ ترک کر دے تو اس کی ساری بدیاں ختم ہو جائیں گی۔ جھوٹی گواہی دے کر بے گناہ کو ملوث کر دینا۔ عوام سے جھوٹے وعدے کرنا۔ جھوٹ بول کر اپنے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرنا، جھوٹ بول کر کوئی بھی وقتی فائدہ حاصل کرنا ایک ایسی وبا ہے جس میں ہر خاص و عام شامل ہے۔ حتیٰ کہ ہمارے بعض علماء، دانش ور اور میڈیا سے تعلق رکھنے والے بھی پیچھے نہیں۔

ان حالات کے پیشِ نظر ہمارے لیڈروں، علماء اور دانش وروں کا فرض تو یہ ہونا چاہیے کہ مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے مل جل کر کوشش کریں۔ آپس میں اتفاق، محبت اور امن و آشتی کا درس دیں۔ لیکن افسوس ہے کہ امت نے ساٹھ سال کے تلخ تجربے سے کچھ نہیں سیکھا اور نفاق اور نفرت کو ہوا دیتے جا رہے ہیں۔ اس دروغ گوئی کی ایک مثال روزنامہ امت کی 10 ستمبر 2012ء کی اشاعت میں شامل ایک مضمون ہے جس کے مصنف احمد نجیب زادے ہیں۔ یہ مضمون جماعتِ احمدیہ کے برطانیہ میں منعقد ہونے والے جلسہ سالانہ کے بارے میں ہے۔ احمد نجیب زادے نے مضمون کی ابتدا ہی جھوٹ سے کی ہے۔ اگر نجیب زادے کے مضمون میں تمام لغویات کا جواب دیا جائے تو کتاب ہو جائے لیکن ہم ایک دو باتوں ہی کو سامنے رکھیں گے۔ عقل مند را اشارہ کافی است۔ احمد نجیب زادے لکھتے ہیں کہ'' جماعت احمدیہ کے سربراہ مرزا مسرور احمد نے لندن میں برطانوی سرکار کی زیرِ سرپرستی منعقد کئے جانے والے قادیانی

جماعت کے چھیالیسویں سالانہ جلسہ کے آخری دن ببانگِ دہل اعلان کیا ہے کہ دنیا کی مختلف حکومتوں کے تعاون سے جماعت احمدیہ کے مشن انتہائی کامیاب رہے۔''

نجیب زادے کے پاس ضرور ایسے ثبوت ہوں گے جو'' برطانوی سَر پرستی'' کو ثابت کرسکیں۔ جو انہیں اپنے قارئین کو مہیا کر دینے میں بخل سے کام نہیں لینا چاہیے۔ اگر کسی جلسے میں سرکاری حکام کا شامل ہونا سرکاری سَر پرستی ہے تو مغربی ممالک میں مسلمانوں کے دیگر فرقوں کے جلسوں میں بھی آئے دن سرکاری حکام شریک ہوتے ہیں۔ نجیب زادے اس بات کو نوٹ کرلیں کہ جماعت احمدیہ کے جلسہ سالانہ کی ابتدا آج سے تقریباً ایک سوبیس سال قبل 1891ء میں قادیان میں بانیِ سلسلہ احمدیہ نے کی تھی جب کہ شرکاء کی کل تعداد پچھتر تھی۔ 1947ء میں ہجرت کے بعد یہ جلسہ ہر سال جماعت کے نئے مرکز ربوہ میں ہونے لگا جس میں شرکاء کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی۔ جب علماء پر یہ واضح ہوگیا کہ بھٹو کے ذریعے احمدیوں کو اقلیت قرار دینے اور جماعت پر ہر قسم کا ظلم ڈھانے کے باوجود یہ سلسلہ روز بروز ترقی کرتا چلا جا رہا ہے تو انہوں نے جابر ضیاء کے تعاون سے جماعت پر دیگر پابندیوں کے ساتھ جلسہ سالانہ ربوہ پر بھی پابندی لگوا دی۔ جماعت احمدیہ کا مرکزی جلسہ سالانہ برطانیہ میں کبھی منعقد نہ ہوتا اگر علماء کے کہنے پر ڈکٹیٹر ضیاء جماعت احمدیہ کے اُس وقت کے امام حضرت مرزا طاہر احمد کو اسلم نامی ایک ملا کے قتل کے جھوٹے مقدمہ میں ملوث کر کے تختۂ دار پر چڑھانے کا منصوبہ نہ بناتا۔ ڈکٹیٹر ضیاء کی تمام سرکاری مشینری اور سیکریٹ سروس کے کڑی نگرانی اور ربوہ کے محاصرے کے باوجود مرزا طاہر احمد لندن ہجرت کرنے میں کامیاب ہوگئے اور ضیاء اپنا سر پیٹتا رہ گیا۔ رسولِ عربی ﷺ کی ہجرت کے وقت غارِ ثور کا واقعہ یاد آتا ہے۔ اس وقت مکڑی کو غار کے مُنہ پر جالا بُننے کا حکم ہوا۔ اور اب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ضیاء کی سیکرٹ سروس کی آنکھوں پر جالا آ گیا۔ مقتدر علماء کا فرضی مقتول ملا اسلم بھی کئی سال بعد زندہ ہوگیا اور پاکستان ٹی وی پر جلوہ گر ہوا۔ علماء کے جھوٹ کا پول کھل گیا۔ نجیب زادے کو معلوم ہوگا کہ فرقہ جماعت احمدیہ ایک منتشر اور بے لگام جماعت نہیں۔ جب امام کو ہجرت کا صدمہ برداشت کرنا پڑا تو خلافت کے پروانے دنیا کے ہر کونے سے آکر لندن میں اپنے امام کے گرد جمع ہوگئے۔ لندن کے حالیہ جلسہ میں نجیب زادے اور ان کے ہم خیال لوگ یہی منظر دیکھ کر تعجب کر رہے ہیں کہ ہم تو ان کو کئی بار ختم کر بیٹھے لیکن یہ پہلے سے بھی بڑھ کر شان وشوکت سے ابھر آتے ہیں۔

اگر نجیب زادے نے تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا ہے تو ان کو جنگِ خندق کا واقعہ یاد ہوگا جب رسولِ عربی ﷺ پیٹ پر پتھر باندھے خندق کھود رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے کشف میں ان کو قیصر و کسریٰ کی عظیم سلطنتوں کی کنجیاں دکھائیں۔ یہ اسلام کی صداقت کا عظیم الشان نشان ہے کہ فاقہ زدہ اور دشمن سے گھری ہوئی قوم کا سالار دنیا کی عظیم ترین سلطنتوں کے خواب دیکھتا ہے اور یہ خواب تھوڑے ہی عرصے بعد پورا ہوجاتا ہے۔ اب آیئے پھر قادیان چلتے ہیں۔ اس گم نام بستی میں ایک شخص اپنے مہمان کو کھانا پیش کرنے کے بعد اپنے ہاتھ سے چارپائی بننے لگتا ہے کہ مہمان کے سونے کے لئے گھر میں چارپائی نہیں۔ یہ شخص دعویٰ کرتا ہے کہ وہی مہدی اور مسیح موعود ہے جس کا انتظار مسلمان اور عیسائی صدیوں سے کر رہے ہیں تو مخالفت کا ایک طوفان کھڑا ہوجاتا ہے۔ اس نحیف ولاچار اور بے یار و مددگار شخص سے اللہ تعالیٰ وعدہ کرتا ہے کہ'' میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔'' اور پھر یہ اعلان دیکھئے کہ'' میں تو تخم ریزی کرنے آیا ہوں۔ سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اُس کو روک سکے۔'' وہ فاقہ مست، خرقہ پوش اور ناخواندہ لوگ جوق در جوق حق کی تلاش میں اس کے پاس آتے تھے، وہ اس کی گفتار، کردار اور آثار سے اندازہ کر لیتے تھے کہ یہ شخص سچا ہے اور انہیں یقین تھا کہ ایک دن یہ الٰہی پیغام ضرور دنیا کے کناروں تک پہنچے گا۔ اُس وقت بھی'' نجیب زادوں'' نے اس درخت کی جڑیں کاٹنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ اور کس قدر بد بخت ہیں یہ لوگ کہ آج اس پیغام کو دنیا کے کناروں تک دیکھتے ہوئے بھی ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔

نجیب زادے نے یہ بھی لکھا ہے کہ جماعتِ احمدیہ بلادِ مغرب بالخصوص امریکا میں اپنی عبادت گاہیں مساجد کی طرز پر تعمیر کرتے ہیں جہاں سادہ لوگ اور قادیانیت کو نہ جاننے والے لوگ اس جگہ کو بھی مسجد سمجھ کر نماز کے لئے آتے ہیں اور یہاں قادیانی مبلغین کی'' چکنی چپڑی'' باتوں میں پھنس جاتے ہیں۔'' ہمیں نجیب زادے کی اس بات سے اتفاق ہے کہ احمدی مبلغ چکنی چپڑی باتیں کرتے ہیں اور لوگ ان پر پھسل کر جماعتِ احمدیہ میں شامل ہوجاتے ہیں۔ وہ'' چکنی چپڑی'' باتیں کیا ہیں؟ نجیب زادے نے اس کی وضاحت نہیں کی لیکن ہم بتانا چاہتے ہیں کہ جماعتِ احمدیہ کی ہر دلیل قرآن، حدیث اور سنت، رسول ﷺ پر مبنی ہوتی ہے اور آنکھوں والوں کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے۔ نجیب زادے چاہیں تو کسی احمدی مبلغ سے مل کر خود ان'' چکنی چپڑی'' باتوں کو سن لیں۔ نجیب زادے کے لیے بُری خبر یہ ہے کہ احمدیت کے فروغ میں مبلغین احمدیت سے زیادہ نجیب زادے جیسے دروغ گو نام نہاد مسلمانوں نے مدد کی ہے۔ جب'' سادہ لوح'' مسلمانوں پر آپ کے جھوٹ کا پول کھل جاتا ہے تو انہیں اور کسی دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔

نجیب زادے صاحب نے ایک دفعہ پھر امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا مسرور احمد کی کیپیٹل ہل میں تقریر کے غلط حوالے دے کر مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ تقریر ویڈیو پر موجود ہے۔ ہم نجیب زادے کو چیلنج کرتے ہیں کہ اس تقریر کا مکمل متن اخبار اُمت میں شائع کردیں تاکہ قارئین خود فیصلہ کرلیں کہ کون اسلام کا ہمدرد ہے اور کون دشمن۔ اور کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔ امید ہے نجیب زادے جرأت

دکھائیں گے اور اس معمولی جہاد میں حصہ لیں گے جس میں ان کو جان کی قربانی دینی پڑے گی نہ جسمانی گزند پہنچے گا۔

اب ہم نجیب زادے کے سامنے چار چیلنج رکھتے ہیں:

1۔ آپ فرقہ احمدیہ کی طرح تمام علماٗ اور مسلمانوں کو ایک امام کے جھنڈے تلے لے آئیں۔

2۔سب علماء اوران کے پیروکار مل کر پاکستان میں کم ازکم ایک مثالی اسلامی شہرتعمیر کردیں جہاں کے سب مکین خواندہ ، پُر امن اور منظم ہوں۔ جہاں رشوت، قتل، ٹارگیٹ کلنگ ،غبن اغواء اور آبروریزی۔ پولیس تشدد، عدالتوں میں بے انصافی اور سڑکوں پر غنڈہ گردی ، گالی گلوچ، آتش زنی اور سرکاری اور نجی جائداد کو تباہ کرنا اور دیگر برائیاں ،جن کی اسلام میں ممانعت ہے، نہ ہوں۔علماء پاکستان کی مختلف تنظیموں کے پاس کروڑوں نہیں اربوں کے فنڈز ہیں۔سعودی عرب سے بھی لاکھوں ملتے ہیں۔اور ماشاءاللہ اسلامی تعلیم سے بھی منور ہیں اس لئے یہ کام بھی ہرگز مشکل نہیں ہونا چاہیے۔

3۔ضیاء اور علماء کی کوششوں سے جو جہاد شروع ہوا تھا جس نے اب دہشت گردی کے عذاب کی شکل اختیار کرلی ہے اُس سے بے گناہ پاکستانی شہریوں کو نجات دلوائیں۔

4۔حدیث ’’صفائی نصف ایمان ہے‘‘ کی روشنی میں پاکستان کے کسی ایک شہر کی سڑکوں اور گلیوں کی مل جل کر ایسی صفائی کرڈالیں کہ پھر ان میں کبھی کوڑے کے ڈھیر یا تعفن نظر نہ آئے۔علماء کے ایک اشارے پر ہزاروں، لاکھوں مسلمان سڑکوں پر نکل آتے ہیں اس لئے یہ کام بھی مشکل نہیں ہونا چاہیے۔

جب صفائی کا یہ کام ہوجائے تو نجیب زادے جھاڑو ہاتھ سے رکھ کر پھر قلم اٹھا لیں اور جماعت احمدیہ کے خلاف ہرزہ سرائی اور زہرافشانی کرتے پھریں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ کا ورودِ امریکہ

صادق باجوہ۔میری لینڈ

وفاکے دیپ جلائیں کہ پھر بڑھے ایماں — ہو طے سلوک ، عطا تقویٰ ہو ملے عرفاں
حصولِ دولتِ ایماں ہے حاصلِ ایماں — کسی فریبِ جہاں کا رہا گماں کہاں
بلند اوجِ مقدر پہ پھر ستارے ہوئے — خوشا نصیب زمیں آسماں ہمارے ہوئے
ہیں انتظار کے لحا ت ہم گزارے ہوئے — وہ آ رہے ہیں دل وجان جن پہ وارے ہوئے
خوش آمدید مکین و مکاں بھی کہتے ہیں — وہ خوش نصیب مکاں ہیں جہاں وہ رہتے ہیں
زباں سے رُشدوہدایت کے چشمے بہتے ہیں — نہ احمدی ہی فقط غیر بھی یہ کہتے ہیں
صمیمِ دل سے بیاں مصطفیٰؐ کی شان کریں — ثنا سے اس کی معطر دل و زبان کریں
فدائے راہِ خلافت ہر آن بان کریں — ہے آرزو یہ ہماری نثار جان کریں

بسر ہو رات بھی تقویٰ سے صبح و شام کریں
ندائے پاک مسیحاؑ صلائے عام کریں
کبھی تو سنگ سے بھی آبجو رواں ہوگی
ہے سنگلاخ زمیں حکمتوں سے رام کریں

51واں جلسہ سالانہ سیرالیون 3 تا 5 فروری 2012ء

امسال حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ازراہ شفقت مکرم ڈاکٹر امتیاز احمد چوہدری صاحب آف امریکہ کو مرکزی نمائندہ کے طور پر سیرالیون بھجوایا

مولانا سعید الرحمٰن، امیر جماعت و مشنری انچارج احمدیہ سیرالیون

صدر مملکت سیرالیون، 11 وزراء مملکت، 3 نائب وزراء مملکت، 13 ممبران پارلیمنٹ، 33 پیراماؤنٹ چیفس اور نمائندگان، 29 چیفڈم سپیکرز اور سیکشن چیفس، 16 قبائلی سردار ویسٹرن ایریا، اعلیٰ حکومتی عہدیداران، جماعت احمدیہ لائبیریا اور گنی کناکری کے وفود اور متعدد غیر از جماعت آئمہ کی شرکت

14,859 کل حاضری　　523 جماعتوں کی شمولیت

4,891 سے زائد نو مبائعین کی شرکت　　1,213 سے زائد غیر از جماعت دوستوں کی شمولیت　　75 بیعتیں

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جماعت احمدیہ سیرالیون کا جلسہ سالانہ کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ امسال حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ازراہ شفقت مکرم ڈاکٹر امتیاز احمد چوہدری صاحب آف امریکہ کو مرکزی نمائندہ کے طور پر سیرالیون بھجوایا۔ جنہیں سیرالیون میں 5 سال بوآجے بو احمدیہ ہسپتال میں بطور ڈاکٹر خدمات کی توفیق ملی۔ آپ نصرت جہاں سکیم کے تحت افریقہ میں بھجوائے جانے والے ڈاکٹرز کی پہلی ٹیم میں شامل تھے۔ آنمکرم 1971ء میں سیرالیون پہنچے اور بوآجے میں نیا احمدیہ ہسپتال شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تائید و نصرت فرمائی اور کامیابیوں سے نوازا۔ آپ کی آمد سے جلسہ میں ایک خاص رونق اور جوش پیدا ہوا۔ احباب جماعت سیرالیون آپ کو اپنے درمیان دیکھ کر اور مل کر بہت خوش تھے اور حضور انور کی اس شفقت پر بے حد شکر گزار تھے۔

امسال صدر مملکت سیرالیون نے ہماری دعوت کو قبول کیا اور 11 وزراء مملکت، 3 نائب وزراء مملکت کے ساتھ جلسہ سالانہ کے پہلے دن پہلے اجلاس میں تشریف لائے۔ اسی طرح بہت سی اہم شخصیات نے شرکت کی۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔ جلسہ کے اس پہلے اجلاس میں صدر مملکت، منسٹر آف سوشل ویلفیئر اینڈ ریلیجس افیئرز، منسٹر آف منرل اینڈ نیچرل ریسورسز، منسٹر آف ہاؤسنگ اینڈ ورکس، منسٹر آف مارین ریسورسز، منسٹر آف پولیٹیکل اینڈ پبلک افیئر، ڈپٹی منسٹر آف پولیٹیکل اینڈ پبلک افیئر، منسٹر آف ٹرانسپورٹ ٹورزم اینڈ کلچرل افیئرز، منسٹر آف ایجوکیشن سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، ڈپٹی منسٹر آف ایجوکیشن سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، منسٹر آف فارن افیئر، منسٹر آف انٹرنل افیئرز، ڈپٹی آف ٹریڈ، وزیر اعلیٰ ایسٹرن ریجن، وزیر اعلیٰ ساؤتھ ریجن، ڈسٹرکٹ آفیسر نیشنل الیکٹورل کمشنر، ریجنل کوآرڈینیٹر فار پولیٹیکل افیئرز ساؤتھ، چیئرمین سیرالیون روڈ اتھارٹی، جنرل سیکرٹری آف رولنگ پارٹی نیشنل آرگنائزنگ سیکرٹری رولنگ پارٹی، چیئرمین رولنگ پارٹی Bo ڈسٹرکٹ، چیئرمین

نیٹ کام، سابقہ نیشنل چیئر مین اپوزیشن پارٹی SLLP، ممبرز آف پارلیمنٹ، وائس چانسلر اینڈ پرنسپل جالا یونیورسٹی، ہائی کورٹ کی جج مسز کمارا، میئر Bo ٹاؤن سٹی کونسل، ایکٹنگ میئر فری ٹاؤن سٹی کونسل، ڈپٹی میئر کینیما ٹاؤن، چیئر مین ڈسٹرکٹ کونسل کینیما ٹاؤن، کونسل ممبرز آف کینیما ٹاؤن، نیشنل چیئر مین سیرالیون ٹیچرز یونین، نیشنل چیف آف فائر فورس، نیشنل چیف آف امیگریشن، نیشنل ہیڈ آف پیرا ماؤنٹ چیفس کونسل، ڈپٹی ڈائریکٹر آف ایجوکیشن پورٹ لوکو ڈسٹرکٹ، ڈپٹی ڈائریکٹر آف ایجوکیشن Bo ڈسٹرکٹ، ڈپٹی ڈائریکٹر آف ایجوکیشن کینیما ڈسٹرکٹ، ڈپٹی ڈائریکٹر آف ایجوکیشن مبور کا ڈسٹرکٹ، نیشنل پریذیڈنٹ آف اسلامک ویمن آرگنائزیشن، باؤسا نیشنل پریذیڈنٹ، جنرل مینیجر فری ٹاؤن انٹرنیشنل ایئر پورٹ، ریسرچ آفیسر NCD نارتھ مکینی ڈسٹرکٹ، نیشنل ڈائریکٹر آف رین بو فیملی پروگرام، ڈسٹرکٹ چیئر مین چائلڈ ویلفیئر، سابق چیئر مین انٹر ریلجس کونسل بشپ Humper، ڈائریکٹر آف مائنز، چیئر مین آف پیرا ماؤنٹ چیف ان پارلیمنٹ، Peace crops، امریکن آرگنائزیشن کے 7 نمائندے، 33 پیرا ماؤنٹ چیفس، 16 قبائلی سردار، 29 سیکشن چیفس، چیف امام آف ناردرن ڈسٹرکٹ، چیف امام Bo ٹاؤن، چیف ڈم چیف امامز، نیشنل جنرل سیکرٹری کونسل آف امامز، نیشنل جنرل سیکرٹری یونیورسل پیس فیڈریشن، بزنس مین، بینک مینیجرز، کے علاوہ گورنمنٹ افسران اور مختلف طبقہ ہائے فکر کے معزز افراد نے شرکت کی۔ اسی طرح جماعت احمدیہ لائبیریا اور جماعت احمدیہ گنی کناکری کے وفود بھی شامل تھے۔

جلسہ سالانہ کے افتتاحی اجلاس میں درج ذیل مہمانوں نے صدر مملکت کی موجودگی میں خطاب کیا اور خیر سگالی کے پیغامات بھی دیئے۔

1۔منسٹر آف پولیٹیکل اینڈ پبلک افیئر ز آنریبل ''الفا کانو'' 2۔میئر آف ''بو'' ٹاؤن 3۔منسٹر آف سوشل اینڈ ریلجس افیئر ز 4۔ڈاکٹر صالح ابراہیم کمارا لیکچرار ملٹی مر گائے کالج 5۔چیف امام آف سنٹرل مسجد فری ٹاؤن الحاج شیخ تیجان سلاہ 6۔نمائندہ عیسائی مذہب بشپ ہمپر Humper 7۔سیرالیون پیپلز پارٹی کے سابق نیشنل چیئر مین Alhaji UNS Jah 8۔نیشنل سیکرٹری جنرل آف امامز کونسل سیرالیون مسٹر الحاجی مدنی کابا کمارا

صدر مملکت کی تقریر: صدر مملکت سیرالیون His Excellency Hon.Dr.Ernest Bai Koroma نے جماعت احمدیہ سیرالیون کے 51 ویں جلسہ سالانہ کے موقعہ پر اپنے خطاب میں کہا کہ۔ میں جماعت احمدیہ کے 51 ویں جلسہ سالانہ کے انعقاد پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اپنی طرف سے اور اپنی قوم کی طرف سے مشکور ہوں کہ جماعت احمدیہ سیرالیون نے صحت، انرجی اور تعلیمی میدانوں میں غیر معمولی خدمات سرانجام دی ہیں۔

انہوں نے کہا کہ 1939 سے ملک کے ہر حصہ میں سکول کھول رکھے ہیں۔ جماعت احمدیہ کے سکولوں کے تعلیم یافتہ افراد اعلیٰ حکومتی عہدوں پر فائز ہیں جیسے ملک کے نائب صدر، منسٹر، ایمبیسیڈر، ڈاکٹر، پرنسپل، پروفیسر وغیرہ۔

یہ جماعت احمدیہ کی ملک وقوم کی ترقی میں انتھک محنت کا نتیجہ ہے۔ صدر مملکت نے کہا کہ میں بہت خوش ہوں کہ جماعت احمدیہ کے لوگ صحیح طریق پر پورے ملک میں امن قائم کرنے اور ترقی کے مختلف طریق اپنانے پر صف اول کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ قومی لحاظ سے اگر ہم اپنے رویّوں میں تبدیلی لانا چاہتے ہیں تو ہمیں جماعت احمدیہ کا ماٹو Love for all hatred for none اپنانا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ جتنی بھی باتیں میں نے یہاں کی ہیں جماعت احمدیہ ان تمام باتوں کی مثال آپ ہے۔ اور پہلے سے ہی لوگوں کی تربیت کیلئے منصوبہ بندی کر چکی ہوتی ہے۔ صدر مملکت نے احمدیہ مسلم ریڈیو کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ احمدیہ مسلم ریڈیو بھی اسلام کی پُر امن حقیقی تعلیم پیش کر رہا ہے۔ ہم جماعت احمدیہ کو اس پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہمارے ملک میں مذہبی بھائی چارے کے علاوہ قومی یک جہتی کیلئے بھی احباب جماعت غیر معمولی کردار ادا کر رہے ہیں اور ہم امید کرتے ہیں کہ اسی طرح جماعت احمدیہ حکومت کے ساتھ قدم بقدم ملک کی ترقی کی طرف بڑھنے میں مدد کرتی رہے گی۔ قارئین کی خدمت میں دُعا کی عاجزانہ درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ جماعت احمدیہ کو ترقیات سے نوازتا چلا جائے اور نیک نامی میں اضافہ فرماتا رہے، آمین۔

گاہے گاہے باز خواں ایں قصہء پارینہ را

محمد ظفر اللہ Pocatello, Idaho

میرے مرحوم دادا جان، ٹھیکیدار محمد شفیع صاحب سڈل، نے خلافت اُولیٰ کے دوران احمدیت قبول کی۔ خلافت ثانیہ کے اولین دنوں میں، خواجہ کمال الدین صاحب کے زیر اثر ہونے کے باعث، بیعت میں توقف کیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد جب خدا تعالیٰ نے دل اس طرف پھیر دیا تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیعت کا خط مع معافی کی درخواست کے ارسال کیا۔ شنید ہے کہ یہ خط بعد میں اخبار البدر میں شائع ہوا۔ اس کے کچھ عرصے کے بعد ہی مختصری علالت کے بعد دادا جان تقریباً جوانی ہی میں وفات پا گئے۔

دادا جان سے خاصا عرصہ ملاقات نہ ہونے پر ان کے ایک دوست حاجی محمد موسیٰ رضی اللہ عنہ (نیلا گنبد والے) کو فکر ہوئی۔ لاہور سے سیالکوٹ اور سیالکوٹ سے تانگے میں بیٹھ کر کوٹلی لوہاراں مغربی پہنچے۔ دادا جان کی وفات کا سن کر اظہار تعزیت کیا اور حالات دریافت کئے۔ پتہ چلا کہ دادا کی وفات کے بعد ان کے کارندوں نے، جو کہ زیادہ تر گاؤں ہی کے اور اپنے رشتہ دار ہی تھے، وہ سب کچھ خرد برد کر لیا تھا جس کے لئے دادا جان یا انکے وارثوں کے دستخط کی ضرورت نہ تھی۔ بچے سب چھوٹی عمر کے تھے، میرے سب سے بڑے تایا کی عمر چودہ یا پندرہ سال تھی اور میرے ابا پانچ سال کے تھے۔

دادا چونکہ ریلوے کے پلوں کی تعمیر سے متعلق ٹھیکے لیتے تھے، حکومت کے ساتھ لین دین تھا لہٰذا اس بات کا اطمینان تھا کہ جو ادائیگیاں باقی تھیں وہ محفوظ تھیں۔ جب میری دادیوں کو اس طرف سے کچھ اطمینان ہوا تو دوسرے دکھ بھی یاد آنے لگے۔ بڑا دکھ یہ تھا کہ دادا کی وفات کے بعد میرے سب چچا تایاؤں کی مانگیں چھن گئی تھیں۔ (منگنیاں ٹوٹ گئی تھیں۔) اس کا علاج حضرت حاجی صاحب نے یہ کیا کہ اپنی ایک بیٹی مریم صاحبہ کی شادی میرے بڑے تایا عبدالخالق صاحب سے طے کر دی۔ اللہ اللہ، اسے کہتے ہیں ایثار۔ کہاں حضرت حاجی صاحب، لاہور کے ایک معروف اور صاف ستھرے علاقے کے رہنے والے اور کہاں ضلع سیالکوٹ کے ایک دور افتادہ گاؤں کے مکین میرے دادا اور انکی اولاد۔

مناسب لگتا ہے کہ میں اپنے گاؤں کے اس زمانے میں دور افتادہ ہونے کی کچھ تفصیل بیان کر دوں اور اپنے گھرانے کے بھی کچھ حالات بیان کر دوں تا کہ قاری کو حضرت حاجی صاحب کے ایثار کا بہتر اندازہ ہو جائے۔ ہمارا گاؤں کوٹلی لوہاراں سیالکوٹ شہر سے تقریباً آٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ آجکل شہر سے دو سڑکیں کوٹلی لوہاراں جاتی ہیں۔ ایک سڑک چھاؤنی سے ہوتی ہوئی کھروٹہ سیداں کے رستے کھیتوں میں سے گزرتی ہوئی پہلے کوٹلی لوہاراں مشرقی اور پھر کوٹلی لوہاراں مغربی پہنچتی ہے۔ دوسری سڑک جو سیالکوٹ سے سیدھی ہیڈ مرالہ جاتی ہے دونوں کوٹلیوں کے درمیان سے گزرتی ہے۔

دوسری سڑک نئی ہے۔ لہٰذا حاجی صاحب پہلی سڑک کے رستے گئے ہوں گے۔ جو کہ سڑک کم اور کچا رستہ زیادہ تھی۔ عام دنوں میں سیالکوٹ اور گاؤں کے درمیان تانگے کا سفر سن 50 کے زمانے کے لگ بھگ بھی ایک صحتمند آدمی کی چولیں ہلانے کے لئے کافی ہوتا تھا۔ اور حضرت حاجی صاحب تو گئے بھی برسات ہی کے زمانے میں تھے۔ عمر بھی حاجی صاحب کی اس وقت کافی تھی۔ آجکل میں اکثر سنتا ہوں کہ لڑکی کے باوا نے صاف کہہ دیا کہ میری بیٹی یہ ملک چھوڑ کر نہیں جائے گی۔ اس تناظر میں حاجی صاحب کا میرے گھرانے سے رشتہ جوڑنے کا فیصلہ حیران کن ہی لگتا ہے۔

قبل اس کے کہ کوئی قاری کچھ اور سوچنے لگیں حاجی صاحب کے اس فیصلہ کی بنیادی وجہ بتا تا چلوں۔ میری بڑی دادی نے، جو کہ میری حقیقی دادی تھیں، احمدیت قبول نہ کی۔ ان کا خیال تھا کہ میرے دونوں بڑے تایاؤں کو کہہ دینا چاہیے کہ ٹھیک ہے ہم احمدیت چھوڑتے ہیں، اب رشتے دو۔ ان کے خیال میں شادیاں ہو جانے کے بعد کون پوچھتا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ حاجی صاحب کی باریک بین نگاہ نے بھانپ لیا تھا کہ اکیلا چھوڑنے

کے نتیجہ میں یہ گھرانہ احمدیت سے دور ہو جائے گا۔

ایک اور بات بتا تا چلوں۔ جو کہ بعض اوقات لوگوں کو کفو کا مسئلہ یاد دلا سکتی ہے۔ ہم لوگ لوہار ہیں اور پرکھوں کے زمانے سے ہمارے پاس زرعی زمینیں بھی ہیں۔ اس لحاظ سے ہمارا گھرانہ ایک زمیندار گھرانہ تھا۔ گھر گو کہ نیا تھا اور اسے دادا نے ایک حویلی کی صورت میں بنایا تھا پر اس گھر میں بھینسیں بندھتی تھیں، گاؤں کے رواج کے مطابق۔ (اس بات پر اللہ تعالیٰ مغفرت کرے میری بڑی تائی صاحبہ کو ایک عرصے تک اعتراض رہا۔ پھر، وہ کیا کہتے ہیں کہ، بور چ گئی دماغ میں۔) اللہ تعالیٰ مغفرت کرے میری بڑی تائی، جنہیں ہم تائی مریم کہتے تھے، ہمارے خاندان کو احمدیت کے ساتھ منسلک کرنے والی روح ثابت ہوئیں۔ کہنے کو وہ میری سوتیلی تائی تھیں، پر مجھے اور میرے بہن بھائیوں کو کبھی اس کا احساس نہ ہوا۔ انکی اولاد نے بھی ہمارے ساتھ بھائیوں بہنوں والا سلوک رکھا۔ کسی اور چچا یا تایا کی اولاد کے ساتھ ہمارا اس قدر پیار کبھی نہ ہوا۔

اللہ تعالیٰ حاجی صاحب کو جزائے خیر دے۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ ہمارے خاندان میں احمدیت ان ہی کی وجہ سے رہی۔ بہر حال اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے، اسی نے حاجی صاحب کے دل میں دادا جان کو تلاش کرنے کا خیال ڈالا۔ اسی نے ان کے دل میں سلسلے کی اور اپنے احمدی دوستوں کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری تھی، اسی نے ان کو احمدیت کی خاطر اپنی بیٹی کو قربان کرنے کا حوصلہ بخشا تھا۔

اس کے بعد حاجی صاحب میرے بڑے تایا کو ساتھ لے کر لاہور گئے۔ ٹھیکوں کے بقایا جات واگزار کروانے میں مدد فرمائی اور گویا نا امیدی سے ہمارے گھرانے کو نکالا۔ بڑے تایا نے دادا جان کے نام کے توسط سے میرے دوسرے تایا عبدالمالک صاحب کو ساتھ ملا کر ریلوے کے ٹھیکے لینا شروع کئے۔

میں سمجھتا ہوں کہ تدبیر اور کاروباری سمجھ بوجھ ہمارے گھرانے سے دادا جان کے ساتھ ہی رخصت ہو گئی تھی۔ لیکن جو تکنیکی فہم اللہ تعالیٰ نے دادا کو ودیعت فرمایا تھا اس کی جھلک اب بھی ہم لوگوں میں نظر آ جاتی ہے۔ اس کی ایک مثال کچھ یوں ہے کہ جب سکھر کے آرچ برج کا منصوبہ شروع ہوا تو اس کے ڈیزائن کے مطابق گرڈرز میں ریوٹس (Rivets) ٹھونکی جانا تھیں۔ کئی ٹھیکیداروں کی ناکامی کے بعد یہ خبر عام ہوئی کہ یہ کام ممکن ہی نہیں۔

تایا عبدالخالق مرحوم کی ان دنوں مالی حالت بے حد خراب تھی اور ایک ٹھیکہ لینے کی ان میں قطعی کوئی سکت نہ تھی۔ یہ سن کر کہ بعض لوگوں کے نزدیک کام ممکن نہیں پہنچ گئے اپنے کاغذات لیکر۔ کام کی نوعیت دیکھ کر اپنا پلان بتایا تو انجینیر نے فوراً ٹھیکے کی منظوری دے دی۔ تایا نے کہا کہ اب میں جاتا ہوں تاکہ کوئی پیسے اور لیبر وغیرہ کا انتظام کروں۔ اس پہ ان کو کہا گیا کہ پیسہ ایڈوانس لے لو اور لیبر کے لئے اپنے بھائی کو لکھ دو۔ تو تایا عبدالمالک کو تار دیکر بلوایا اور گویا کام شروع کیا۔ سکھر کا پل بنا۔ پر شاباش ہی دے سکتے ہیں کہ میرے تایا ابا پل کا ٹھیکہ ختم ہونے پر پھر خالی ہاتھ کے خالی ہاتھ تھے۔

خیر مال دولت تو آنی جانی چیز ہے۔ ایمان اور سلسلے کے ساتھ محبت ایک لازوال تحفہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ دے۔ اس کے لئے ہم اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔ اور ذاتی طور پر میں حضرت حاجی صاحب کا ممنون ہوں کہ انکی بروقت مدد کے باعث میرے گھرانے میں احمدیت باقی رہ گئی۔ لگتا ہے حاجی صاحب کی توجہ، باوجود میرے بڑے تایاؤں کے لا ابالی پن کے، ہمارے خاندان پر رہی، حاجی صاحب کے خاندان کے ساتھ تعلقات کچھ اور بڑھے اور میرے ایک اور تایا عبدالعزیز صاحب انکے داماد ہوئے لیکن میرے لئے اس پہلی شادی کی، ان حالات کے تناظر میں، بیحد اہمیت ہے۔

اس قصے کے سبھی کردار اپنے خالق حقیقی کے پاس جا چکے ہیں۔ لیکن ان کے نیک اعمال کے نتائج اور انکے بہت سے ورثاء اب بھی اس دنیا میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت حاجی صاحب کے درجات بلند کرے۔ ان کی توجہ سے جہاں احمدیت ہمارے خاندان میں رہی وہاں ہم بعد میں آنے والوں کو یہ بھی پتہ چلا کہ ہمارے مرحوم دادا کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایسی شخصیت سے نوازا تھا کہ گاہے بگاہے جلسوں پر ملاقات کرنے والے دوست کو بھی ان سے ملاقات نہ ہو سکنے پر اتنی تشویش ہوئی کہ ہر چہ بادا باد کہہ کر ان کا پتہ لگانے نکل کھڑے ہوئے۔ فالحمدللہ علی ذالک۔

ابا مرحوم کی طبیعت کچھ سیلانی تھی۔ اس لئے وہ بہت کم گاؤں میں رہے۔ اور ظاہر ہے کہ ہم لوگ بھی زیادہ عرصہ گاؤں سے باہر ہی رہے۔ میری گاؤں کی یادداشتیں ان چند سالوں پر مبنی ہیں جب حالات ہمیں کوٹلی لوہاراں لے گئے۔ اپنی ہوش میں میں پہلی بار گاؤں اس وقت گیا جب ہم نے قادیان سے ہجرت کی۔ قادیان سے لاہور کا نوائے میں سفر، اپنے ننہال کے ساتھ، پھر جودھامل بلڈنگ میں کچھ عرصہ رہنا بس خواب کی طرح یاد ہے، اور پھر لاہور سے کلاسوالہ جانا۔ پھر وہاں سے گاؤں جانا اپنی اماں اور بھائیوں کے ساتھ۔ یہ سب یادیں گویا خاموش تصاویر کی طرح ذہن کے پردے پر مرتسم ہیں۔ ابا مرحوم ان دنوں حیدرآباد دکن میں تھے، اور تقسیم ملک کے بعد کی بدنظمی کے

باعث مفقود الخبر ۔

خیر تو ابا جب پاکستان آئے اور کراچی میں کاروبار شروع کیا تو ہم ان کے پاس کراچی چلے گئے ۔لگتا ہے کہ ملک کے بدلے ہوئے حالات ابا کو راس نہ آئے اور ان کے قدم کہیں جم نہ پائے۔ آخر سن 1957ء میں ابا نے فیصلہ کیا کہ ہم لوگوں کو گاؤں چھوڑ کر خود کہیں باہر قسمت آزمائی کریں۔ میں اس وقت پندرہ سال کا تھا اور چھ سات مختلف سکولوں میں پڑھتا ہوا چھ جماعتیں پاس کر چکا تھا۔ خیر تو ہمیں گاؤں چھوڑ کر ابا مرحوم جو باہر جانے کے لئے نکلے تو مشرقی پاکستان جا نکلے۔ ابا کو وہاں قدم جمانے میں جو وقت لگا وہ ہم لوگوں کے لئے بے حد یادگار ہے۔ اس دوران میں مجھے اور میرے بھائیوں کو مل جل کر رہنے اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی تربیت ملی۔ اسی دوران میں ہمیں اپنے تایازادوں اور تائی مریم کی ہمارے خاندان کے ساتھ محبت کا احساس بھی ہوا۔

اسی زمانے میں پتہ چلا کہ کوٹلی لوہاراں مغربی میں ابتداءً دو بھائیوں کی اولاد رہتی تھی۔ بڑے بھائی کی اولاد کو وڈے ٹبر والے یا عیال کلاں کہتے تھے اور چھوٹے بھائی کی اولاد کو گھوئے کہتے تھے، اور کہ ہم عیال کلاں تھے۔ میری تایا زاد بہنیں (تایا عبدالخالق صاحب کی بیٹیاں) جو کہ ہم سے عمر میں بڑی تھیں بتایا کرتی تھیں کہ گھوئے وڈے ٹبر والے مردوں کو تایا کہتے تھے، بلا لحاظ عمر، اور وڈے ٹبر والی عورتوں کو پھوپھی، بلا لحاظ عمر۔ (آپس میں شادیاں بھی ہوتی تھیں)

اسی زمانے میں میں نے اپنی (چھوٹی) دادی جان مرحومہ سے حضرت حاجی صاحب کے تشریف لانے کا واقعہ سنا۔ اور یہ بھی سنا کہ دادا جان جلسہ سالانہ پر قادیان کے لئے بوگی ریزرو کروایا کرتے تھے کہ گاؤں سے جو بھی جلسہ پر جانا چاہے، پیسوں کی کمی کی وجہ سے نہ رہ جائے۔ بتایا کرتی تھیں کہ، بہت سے لوگ احمدی ہو گئے تھے دادا کی زندگی میں، لیکن دادا کی بے وقت موت اور اس کے بعد گاؤں کے ملاؤں کے زیر اثر بہت سے لوگ پھر گئے۔ دادی جان سے یہ بھی پتہ چلا کہ دادا مرحوم بہت سی بیواؤں کی در پردہ مدد کیا کرتے تھے۔ دادا کی وفات کے بعد بعض بیواؤں نے رو رو کر کہا کہ انہیں اپنی بیوگی کا اب احساس ہوا ہے۔ مجھے اکثر یہ احساس دکھی کرتا ہے کہ میرے گاؤں والوں نے، جن میں سے بیشتر میرے اپنے رشتہ دار ہی ہیں، میرے دادا کی قدر نہ کی اور ملاؤں کے فتووں کے جال میں پھنس کر احمدیت سے محروم رہ گئے۔

اسی زمانے میں میں نے اپنے دادا جان کا یہ قول بھی سنا کہ کماتو ہر کوئی لیتا ہے مگر سنبھالنا کسی کسی کو آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انکے درجات بلند کرے انہوں نے اپنی کمائی کو اپنی دانست میں خوب سنبھالا۔ اس چھوٹی سی عمر میں، ہر بیٹے اور ہر سوتیلے بھائی کے لئے ایک مکان بنایا۔ (دادا کے دو سوتیلے بھائی تھے جن کا انہوں نے اپنی اولاد ہی کی طرح خیال رکھا) پر وہ کیا کہتے ہیں کہ تدبیر کرے بندہ اور تقدیر کرے خندہ۔ ان کی بے وقت موت نے تمام منصوبے درہم برہم کر دیئے۔ ایسے میں حضرت علی رضی اللہ کا قول یاد آتا ہے "عرفت ربی بفسخ العزایم"

بعض باتیں جو کہ لوگ باتوں باتوں میں کر جاتے ہیں، اپنا انمٹ نقش ایک زخم کی صورت میں چھوڑ جاتی ہیں۔ ابا مرحوم کے ایک پھوپھا تھے جنہوں نے اپنی غربت کے زمانے میں، میرے تایاؤں کی مہربانی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہماری زمین پر ایک ٹیوب ویل لگایا تھا۔ (مہربانی سے زیادہ یہ وجہ بھی رہی ہوگی کہ ہمارا کنواں اتنا پرانا ہو گیا تھا کہ اس پر رہٹ چلانا سراسر گھاٹے کا سودا تھا۔) خیر تو ان کے بیٹے جب خلیج کی ریاستوں میں نوکر ہو گئے تو ان کے دن بھی پھر گئے۔ لیکن بیکار مباش کچھ کیا کر کے مصداق وہ اس ٹیوب ویل کو ایک پرانے سے ڈیزل انجن کے ساتھ کسی نہ کسی طور چلاتے رہتے تھے۔ اس کسی نہ کسی طور چلانے کا مطلب کچھ یہ نکلتا ہے کہ وہ اکثر اس انجن کو کھول کر بیٹھے اس کی مرمت میں مصروف دکھائی دیتے تھے۔ مجھے اور میرے بھائیوں کو مشینوں کے ساتھ رغبت اپنے نانا، مستری محمد حسین صاحب گھڑی ساز مرحوم (آف فرید کوٹ) سے ملی تھی۔ لہٰذا اکثر ان کے ٹیوب ویل پر ان کی اس دقیانوسی انجن کے کھولنے اور واپس جوڑنے میں مدد کرتے دکھائی دیتے تھے۔ میرا دوسرے نمبر پر چھوٹا بھائی ناصر احمد تو گویا ان کا باقاعدہ شاگرد تھا۔

خیر تو ایک روز میں تھا انکے پاس، اور وہ مصروف تھے اس انجن کی شافٹ کے بشوں کو چھیل چھیل کر فٹ کرنے میں۔ ایسے میں، جو دم لینے کو رکے تو، خدا جانے ان کو کیا سوجھی کہ کہتے ہیں تمہارے دادا نے تکبر کیا تھا کہ میں چاہوں تو آدھا ضلع سیالکوٹ خرید لوں۔ اسی تکبر کا نتیجہ یہ ہے کہ آج تم لوگ کوڑی کوڑی کے محتاج ہو۔ ان کی اس بات کو میں اس وقت تو پی گیا، پر گھر آ کر میں نے طوفان کھڑا کر دیا۔ صحن کے عین درمیان میں کھڑے ہو کر، تا کہ دادی جان اور تائی اماں بھی سن لیں، شروع ہو گیا، جھوٹ بولتے تھے میرے دادا کہ وہ آدھا ضلع سیالکوٹ خرید سکتے تھے۔ اگر ان کے پاس اتنا تھا تو آج اس میں سے کچھ نظر کیوں نہیں آتا؟ اس روز مجھے پتا چلا کہ دادا مرحوم کے پاس تو بہت تھا پر اس میں سے کچھ تو آخری ٹھیکے میں نقصان کی نظر ہو گیا، کچھ ان کی بیماری، کچھ انکے کارندوں کی بے ایمانی اور کچھ انکے بعد کی بدانتظامی کی نذر ہو گیا۔

بہت کچھ شور شرابے کے بعد میں کچھ ٹھنڈا تو پڑ گیا لیکن دادا مرحوم کے خلاف دماغ میں گرہ بیٹھ گئی کہ عجب بر خود غلط آدمی تھے۔ اگر اتنی پلی نہیں تھی تو بڑا بول بولنے کی کیا ضرورت تھی؟ باوجود اس کے کہ ابا مرحوم نے بتا رکھا تھا کہ اپنی آخری بیماری کے دوران دادا جان نے انکے سامنے سنار کو گھر بلا کر اشرفیاں گلوا کر سونے کی سات اینٹیں ڈھلوائی تھیں، پانچ بیٹوں اور دو بھائیوں کے لئے۔ پر بھلا سونے کی سات اینٹوں یعنی چند اشرفیوں سے آدھا ضلع سیالکوٹ خریدا جا سکتا ہے؟ اس بات کا ادراک کہ ہوسکتا ہے دادا ابا نے ایسی کوئی بات کی ہی نہ ہو، تقریباً حال ہی میں، چند سال پہلے ہوا۔ میں جب سے امریکہ آیا ہوں بیماری اور غربت کا شکار ہوں۔ اس غربت کا ایک حد تک باعث میری تنک مزاجی، اور جو بات سمجھ میں آئے اسے بغیر لگی لپٹی کے پٹاخ سے منہ پر مارنے کی عادت بھی ہوسکتا ہے۔ پر الحمد للہ۔ میں اپنے حال پر مطمئن تھا، یہ سوچ کر کہ ارے میرے دادا نے اتنا کما کر کیا کمائی کر لی! اور ہاں ان اینٹوں کے بارے میں میری مرحومہ دادی جان نے بتادیا کہ بنی تھیں، دبائی بھی گئی تھیں لیکن بعد میں نکال کر بیچ دی گئی تھیں، کاروبار میں گھاٹا پڑنے کی وجہ سے۔ خس کم جہاں پاک۔

خاندان سے متعلق بہت سی باتیں تائی مریم، اپنی تایازاد بہنوں اور ان کے اکلوتے بھائی عزیزم عبدالسمیع مرحوم سے سنیں۔ عبدالسمیع ہی نے مجھے تاریخ سیالکوٹ سے متعلق ایک کتاب کا بھی بتایا۔ اس کتاب کے مطابق بابر کو جب پہلے حملے میں شکست ہوئی تو بہت سے مغل فوجی کوٹلی لوہاراں نامی قصبے میں بس گئے۔ مغربی کوٹلی میں بہت کم مغل آباد ہیں اور ان میں بھی اکثریت حجام اور جراح ہیں۔ غالباً ایک یا دو خاندان ایسے ہیں مغلوں کے جو کہ لوہار ہیں پیشے کے اعتبار سے۔ ہاں مشرقی کوٹلی میں مغلوں کی خاصی آبادی ہے۔ ویسے اب تو کوٹلی لوہاراں سے ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ یہ شخص لوہاروں کا کام کرتا ہے یا لوہاروں کی اولاد ہے۔

عبدالسمیع مجھ سے تقریباً دو سال چھوٹے تھے لیکن گھر خاندان اور اور گاؤں کے متعلق مجھ سے بہت زیادہ جانتے تھے۔ ذہین آدمی تھے لیکن اپنی اماں کی یہ خواہش پوری نہ کر سکے کہ وہ ڈاکٹر بنیں۔ برطانیہ سے فوٹو گرافی میں ڈپلومہ کر کے آئے اور سیالکوٹ میں ملازم ہو گئے۔ ہومیو پیتھی میں بھی کوئی ڈپلومہ کر رکھا تھا اور پریکٹس بھی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے بے حد محبت کرنے والی روح تھے۔ کیوں نہ ہو آخر کس ماں کے بیٹے تھے اور کس نانا کے نواسے تھے۔ میرے بچوں کو صرف چچا سمیع ہی یاد ہیں، میرے چچا اور تایازاد بھائیوں میں سے۔ جب میں نے تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں نوکری کر لی تو میری اماں، اللہ تعالیٰ انکو زندگی تندرستی دے، نے گھر ربوہ منتقل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے بعد میرے تایازادوں میں سے جو بھی ربوہ آیا وہ اماں سے ملنے ضرور آیا۔

تایا عبدالمالک مرحوم زیادہ تر اپنے کام سے کام رکھتے تھے، اس لئے ان سے کرید کرید کر کوئی بات پوچھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ ان کے مقابلے پر تایا عبدالخالق مرحوم صحیح معنوں میں خاندان کے سربراہ تھے۔ جس قدر ہوسکتا تھا خیال بھی رکھتے تھے۔ اور اگر کوئی بات قابل گرفت دیکھتے تھے تو سرزنش بھی کرتے تھے۔ انہی سے مجھے دادا جان مرحوم کی خلافت ثانیہ کی بیعت کا واقعہ معلوم ہوا تھا۔ مجھ پر بہت توجہ تھی، شاید اس لئے بھی کہ میں اپنے دادا کے زندہ پوتوں میں سب سے بڑا تھا، اور شاید وہ مجھے اسی حیثیت میں دیکھنا چاہتے تھے۔ میری عمر کو دیکھتے ہوئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ مجھے کوئی کام وام سیکھنا چاہیے۔ ایک کارخانے میں لگوا بھی دیا جہاں میں نے کچھ عرصہ کام بھی سیکھا یا کیا۔ پر میری اپنے ابا کے زیر سایہ اٹھان ہی ایسی ہوئی تھی کہ، جونہی حالات درست ہوئے میں نے اسکول کا رستہ ناپا، باوجود بڈھا اونٹ کے خطابات کے۔ پر بعد کو جب تایا جان نے دیکھا کہ لا علاج ہے تو جب اور جہاں کہیں ان سے مدد ہوسکی کی۔ بلکہ انٹرمیڈیٹ پارٹ ون کا امتحان ہونے کے بعد تو میں اور میرے چھوٹے بھائی ناصر احمد مصمم ارادہ کر کے نکلے تھے کہ بس اب چچا عنایت اللہ صاحب (اسٹار انڈسٹریز والے) کے پاس کراچی جا کر کام کریں گے اور گھر کی حالت سنواریں گے۔ تایا ابا مرحوم خود روہڑی سے کراچی گئے (اس زمانے میں سکھر والے پل کا کام ختم ہو چکا تھا اور تایا چھوٹے موٹے ٹھیکے لے کر گزارہ کر رہے تھے خیر تو مجھے سمجھا بجھا کر پہلے روہڑی لے گئے اور پھر واپس ربوہ بھیج دیا۔ بعد کو ناصر احمد نے گاؤں واپس آن کر اسکول جانا شروع کر دیا۔

اللہ تعالیٰ میرے تمام بزرگوں پر اور عزیزوں پر رحمت کرے ان میں سے اکثریت نے ہم بہن بھائیوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ اور میری نظر میں یہ سب احمدیت کی برکت تھی، ورنہ کون سوتیلوں کو پوچھتا ہے۔ خاص طور پر ایسے سوتیلوں کو جن کے باپ نے گھر سے بھاگنے کے بعد کبھی گاؤں کا رخ بھی نہ کیا تھا۔ جن لوگوں نے اچھا سلوک نہ کیا مجھے ان سے بھی کوئی خاص شکایت نہیں۔ اگر میں نے پھر کبھی اپنے پرانے حالات کا ذکر کیا اور اس میں انکا بھی ذکر آ گیا تو صرف واقعاتی تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے ہوگا۔ ورنہ مجھے اپنے ماضی کے سب کرداروں سے پیار ہے، کیونکہ میرے کردار کی تشکیل میں وہ سبھی شریک تھے۔

میری والدہ!

اک شجر جس کے دامن کا سایہ بہت گھنیرا بہت

عبد الہادی ناصر۔ نیویارک
سابق لیکچرار تعلیم الاسلام کالج ربوہ

(حصّہ سوئم)

میری والدہ کی آنحضرت ﷺ سے محبت

میں نے اپنی والدہ سے بچپن سے ہی آنحضرت ﷺ کی سیرت کے متعلق جو کچھ سُنا ہوا ہے میرے ذہن میں نقش ہو گیا ہے۔ آپ بڑے جذب اور محبت سے آپ ﷺ کی زندگی کے واقعات سناتی تھیں اور اکثر اُن کو سناتے ہوئے آُپ پر رقت طاری جایا کرتی اور آپ چشم پُر آب ہو جاتیں۔ سیرۃ النبی ﷺ کا درس میرے سارے بہن بھائیوں کو ملتا رہا۔ اتنا دلچسپ ہوتا کہ بڑی توجہ سے سُنا جاتا۔ اکثر کھانا پکاتے ہوئے باورچی خانہ میں ساتھ بٹھا لیتیں۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جب میرے سب سے چھوٹے بھائی ناصر جمیل کی باری آئی تو وہ اکیلا یہ درس سُنا کرتا تھا۔ جب باورچی خانہ میں بیٹھا سیرۃ النبی کے واقعات سُن رہا ہوتا تو سُننے میں بڑا منہمک ہوتا۔ اگر والدہ باورچی خانہ میں کوئی چیز لینے کے لئے اُٹھتیں تو ساتھ ہی وہ بھی اُٹھ کر پیچھے چلنا شروع ہو جاتا۔ چونکہ وہ اُس وقت چُپ ہو جاتی تھیں۔ اس لئے ہو یہ کہتا چلا جاتا کہ اماں جی پھر کیا ہو۔ اماں جی پھر کیا ہوا۔ مجھے اُس کی یہ ادا بھلی لگتی تھی۔

غرض یہ کہ آپ نے آنحضرت ﷺ کی محبت کو اولاد کے دِلوں میں نقش کر دیا۔ اکثر ہمیں سمجھانے کے لئے آنحضرت ﷺ کی مثالیں دیتیں تھیں۔ اور آپ ﷺ کی زندگی کے نمونے بیان کرتی تھیں۔ آپ ﷺ کی پسند اور ناپسند بیان کرتیں۔ اس طرح آنحضرت ﷺ کی محبت کو اُجاگر کرتیں۔ مثلاً ایک مرتبہ اپنی والدہ سے شکایت کی کہ آپ روز کدّو اور ٹینڈے پکا دیتی ہیں۔ مجھے پسند نہیں۔ آپ نے مجھے کہا کہ کیا تمہیں پتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پسندیدہ سبزی کونسی تھی۔ پھر کہا کہ آپ کی پسندیدہ سبزی کدّو تھی۔ پھر میں نے بچپن سے کدّو کو اپنی پسندیدہ سبزی بنالیا۔ اور جب بھی میں کھاتا ہوں تو میری والدہ کی بات مجھے یاد آجاتی ہے اور اس طور سے آنحضرت ﷺ کی محبت میرے دل میں جگہ پاگئی۔

آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لیے اپنے دل میں غیرت رکھتی تھیں۔ اگر کوئی حضرت مسیح موعودؑ کی عزّت پر حملہ کرتا اور نازیبا الفاظ استعمال کرتا تو اِس کو صاف صاف الفاظ میں بتا دیا کرتی تھیں۔ کہ اگر تم نے توبہ نہ کی تو یاد رکھو کہ خدا تمہیں ذلیل وخوار کر دے گا۔ ایسے کئی واقعات آپ کی زندگی میں رونما ہوئے۔ صرف ایک واقعہ بیان کرتا ہوں جو انہوں نے مجھے بتایا تھا۔ ایک دفعہ آپ اپنے ملنے والی ایک کرنل کی بیوی جو غیر از جماعت تھیں کے گھر بیٹھی ہوئی تھیں۔ ایک میجر کی بیوی بھی کرنل کی بیوی سے ملنے آئی۔ کرنل کی بیوی نے میری والدہ کا تعارف میجر کی بیوی سے کرایا اور یہ بھی بتایا کہ آپ جماعت احمدیہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ سن کر میجر کی بیوی نے حضرت مسیح موعودؑ کی شان میں بہت نازیبا الفاظ کہے۔ جن کو سُن کر والدہ نے اُسے سمجھایا کہ اسلام کی تعلیم یہ نہیں ہے کہ کسی کے بزرگوں کو اس طرح کہا جائے جیسا تم نے کہا ہے۔ یاد رکھو اگر تم نے توبہ نہ کی تو خدا تمہیں ذلیل وخوار کر دے گا۔ اور یہ بھی کہا کہ حضرت مرزا صاحب کا یہ الہام ہے کہ "جو بھی تیری اہانت کا ارادہ کرے گا اُس کو میں ذلیل وخوار کر دوں گا" اور اس کا نظارہ اپنی زندگی میں بارہا دیکھ چکی ہوں۔ اگر تم نے توبہ نہ کی تو تم بھی خدا کی پکڑ میں آجاؤ گی۔ یہ سُن کر اُس نے بڑی تعلّی سے جواب دیا کہ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ جو تمہارے مرزا نے کرنا ہے کر لے۔

کچھ عرصہ بعد میری والدہ کی کرنل کی بیوی سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے کہا کہ کیا آپ نے اُس میجر کی بیوی کا نہیں سنا۔ آپ نے کہا کہ کیا ہوا۔ اُس نے کہا کہ جب آپ اُس کو کہہ کر گئیں تھیں اگر تم نے توبہ نہ کی تو تم ذلیل وخوار ہو جاؤ گی۔ اس کے کچھ دن بعد میجر کسی الزام میں پکڑا گیا۔ اس کا کورٹ مارشل ہوا۔ اور اُس کو سزا سنادی گئی۔ کوٹھی خالی کرالی گئی اور وہ بے سہارا ہو گئی ہے۔ کرنل کی بیوی نے کہا کہ آپ اللہ والے ہیں۔ جو کچھ بھی اُس دن میجر کی بیوی کو کہا تھا بالکل اسی طرح ہوا۔ اتنی ذلت میں نے کبھی کسی کی ہوتے ہوئے نہیں دیکھی۔ کاش وہ اُس وقت توبہ کر لیتی تو خدا اُن پر مہربان ہو جاتا۔

میری والدہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ایک دلی تعلق تھا۔ خواب میں اُن کی زیارت ہو جاتی تھی۔ آپ نے ایک دفعہ مجھے اپنی خواب سنائی کہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ اُن کے ہاتھوں میں کاغذات ہیں اور اُنہوں نے بڑے جلال کے ساتھ اُن کو اوپر اُٹھا کر فرمایا کہ کوئی ہے جو ان لکھی ہوئی باتوں کو جھُٹلا سکے۔ اور جو کچھ بھی میں نے لکھا ہے سچ لکھا ہے۔ اب تمام دنیا کو میری سچائی کو ماننا پڑے گا۔ پھر دیکھا کہ آپ کا قد بلند ہوتا جاتا ہے اور آسماں کی طرف بڑھتا جاتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ ساری دُنیا اُن کو دیکھ رہی ہے۔ یہ خواب سنا کر کہا کہ وہ وقت جلد آنے والا ہے کہ دنیا میں اُن کی سچائی ظاہر ہو جائے گی۔

میرے چھوٹے بھائی ناصر جمیل نے بتایا کہ والدہ جب اُس کے گھر مُقیم تھیں تو اُس کے بچوں کی قران کریم کی تعلیم پر بہت توجّہ دیتی تھیں۔ رمضان المبارک کے ایام میں اُس کے سات سالہ بیٹے کو قران کی تلاوت میں غلطیاں کرنے پر اُس کی سرزنش کی۔ شائید اُن کو محسوس ہوا ہو کہ اُنہوں نے بچے کے ساتھ سختی سے کام لیا ہے۔ عید کے روز علی الصبح بچوں کو عیدی دی اور اُس بچے کو پیار کرنے کے بعد بتایا کہ رات میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خواب میں دیکھا ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ تم نے جو کیا ہے بالکل ٹھیک کیا ہے۔ قران کریم کو ہرگز غلط نہیں پڑھنا چاہیئے۔

میری والدہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کُتب سے بہت لگاؤ تھا۔ اکثر اُن کا مطالعہ کرتیں۔ ملفوظات کی دس جلدیں کئی مرتبہ پڑھیں تھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کُتب کے حوالہ جات نکالنے میں مہارت رکھتی تھیں۔ اور آپ کے دعائیہ اشعار زبانی یاد تھے اور اپنی مترنّم

آواز میں بڑی وارفتگی کے ساتھ پڑھا کرتی تھیں۔ اپنے کم سن پوتے پوتیوں، نواسے اور نواسیوں کو کم سنی میں ہی درثمین کی نظمیں اور دعائیں ازبر کرواتیں۔

خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ قریبی تعلق

میری والدہ نے اس ضمن میں جو اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے وہ تحریر کرتا ہوں۔ آپ فرماتی ہیں کہ:

"میرا خاندان مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ہمیشہ قربت اور مودّت کا تعلق رہا۔ حضرت اُمّ ناصر صاحبہ کے ساتھ قریبی تعلقات تھے۔ اُن کی صاحبزادی محترمہ امتہ العزیز صاحبہ کے ساتھ تو میرے سہیلیوں جیسی قرابت تھی۔ اور اس کے علاوہ ہم مُنہ بولی بہنیں بنی ہوئی تھیں۔ اکٹھی بچپن میں ایک ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔ شادی کے بعد بھی کبھی کسی جگہ دیکھتیں بہت پیار اور محبت سے ملتیں۔ اس طرح حضرت صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ سے بھی سہیلیوں جیسے تعلقات تھے۔ حضرت اماں جان کے گھر بھی میرا آنا جانا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب وہ گھر کے کاموں سے فارغ ہو کر تخت پوش پر آکر بیٹھا کرتی تھیں۔ قد و قامت اچھی تھی۔ اور چہرے پر وقار جھلکتا تھا۔ پیڑھی پر بیٹھ کر کھانا پکایا کرتی تھیں۔ گھر میں بھینس رکھی ہوئی تھی۔ بعض اوقات آپ کو دودھ سے مکھن بلوتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ چُست پاجامہ اور قمیص اور چادر نما دوپٹہ عام طور پر اُن کا لباس ہوتا تھا۔ باہر جاتے ہوئے کالا بُرقعہ زیب تن ہوتا تھا۔ محلہ دار عورتوں سے ملنے بھی تشریف لے جایا کرتی تھیں۔ پنجابیوں کے ساتھ پنجابی زبان میں بات چیت فرماتیں اور بچوں کے ساتھ اُردو بولتی تھیں۔

حضرت اُمّ ناصر صاحبہ سے بہت ملاقات رہتی تھی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں نے پگڑی خریدی اور حضرت اُمّ ناصر صاحبہ کو دی کہ وہ حضور (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ) سے اُن کی استعمال شدہ پگڑی مجھے دلوادیں۔ اور یہ نئی پگڑی اُن کو دے دیں۔ اُنہوں نے وہ پگڑی ازارہ شفقت قبول فرمائی۔ اور اپنی پگڑی عنایت فرمائی۔ میں نے وہ پگڑی اپنے میاں کو دے دی۔ وہ بابرکت پگڑی استعمال کرتے رہے۔ ایک مرتبہ حضرت اُمّ ناصر سے درخواست کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شال کا کپڑا لے کر اُس کے ٹکڑے کر کے سب بچوں میں تقسیم کر دئے۔"

والدہ کی مثالی مہمان نوازی

خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے میرے والدین کو مہمان نوازی کے وصف سے بھی نوزا تھا۔ اپنے اور غیر جو بھی ان سے ملتے اُن کی مہمان نوازی سے بہت متاثر ہوتے۔ چونکہ ہم ربوہ میں رہتے تھے۔ دوسرے شہروں میں رہنے والے ہمارے رشتہ دار جب ربوہ آتے ہمارے ہاں قیام کرتے۔ ربوہ میں جلسہ سالانہ کے وہ دن کتنے سہانے ہوتے تھے جن کے لئے اہلِ ربوہ دن گنا کرتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مہمانوں کی مہمان نوازی کے لئے ہر کوئی اپنی اپنی بساط کے مطابق تیاری کرتا۔ ہماری والدہ بھی بڑے شوق سے مہمانوں کے لئے تیاریاں کرتیں۔ رشتہ دار اور غیر رشتہ دار جلسہ کے دنوں میں جو ایک دفعہ رہ جاتا وہ یہی خواہش کرتا کہ وہ اگلی دفعہ بھی ہمارے ہاں قیام کرے۔ اگر کمروں میں گنجائش نہ بھی ہو تو وہ صحن میں خیمے لگا کر رہ لینا زیادہ پسند کرتے بجائے کسی اور جگہ قیام کرنے کے۔

والدہ کی وفات پر پاکستان اور بیرون پاکستان سے بہت سے تعزیتی ٹیلی فون موصول ہوئے۔ جہاں انہوں نے آپ کے اوصاف حمیدہ بیان کئے خاص طور پر آپ کی مہمان نوازی کا ذکر کرتے رہے۔ ہمارے چچا کے ایک دوست کو بھی چچا کے خاندان کے ساتھ جلسہ پر ہمارے گھر ٹھہرنے کا اتفاق ہوا۔ یہ بات بہت عرصہ بعد واشنگٹن امریکہ میں اُنہوں نے میرے بھائی کو بتائی کہ ہم لوگ جلسہ پر آپ کے گھر ٹھہرا کرتے اور آپ کی والدہ کی مہمان نوازی سے لطف اندوز ہوتے۔ والدہ کی وفات کے بعد انہوں نے میرے چھوٹے بھائی ناصر جمیل سے تعزیت کی اور کہنے لگے کہ آپ کو بتانا چاہتا تھا کہ آپ کی والدہ کا میرے خاندان پر ایک بہت عظیم احسان ہے۔ اور وہ یہ کہ میری اہلیہ نے آپ کی والدہ کی تبلیغ اور حُسن سلوک سے متاثر ہو کی احمدیت قبول کی۔

آپ کی مہمان نوازی کے بیسیوں واقعات ہیں جن کو یہاں بیان کرنا مشکل امر ہے۔ لیکن ایک ناقابل فراموش واقعہ کا ذکر کرتا ہوں۔ سن 1966 کی بات ہے۔ جن دنوں خاکسار تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں لیکچرار تھا۔ گرمیوں کے دن تھے۔ ایک دن موسلا دھار بارش صبح شروع ہوئی اور متواتر کئی گھنٹے اتنی بارش ہوئی کہ بہت سا پانی اکٹھا ہو گیا اور سڑک پر سائیکل چلانا محال ہو گیا تھا۔ اور بارش تھی کہ رُکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ کالج کے سٹاف روم میں اساتذہ بیٹھے بارش کے رکنے کا انتظار کر رہے تھے۔ سب نے صبح کا ناشتہ کیا ہوا تھا۔ اور انتظار میں اڑہائی بج گئے۔ بھوک سب کو ستا رہی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ میرا گھر نسبتاً میرے کولیگز کے گھروں سے نزدیک ہے۔ کیوں نہ کسی مددگار کارکن کو گھر بھجوا کر تھوڑا بہت کھانے کو منگوا لیا جائے۔ ہمارے سٹاف روم کا مددگار صحت مند نوجوان تھا۔ جب میں نے اُسے گھر بھیجنے کے لیے کہا تو خوشی سے مان گیا۔ چنانچہ میں نے والدہ کو یہ لکھ کر بھجوایا کہ یہاں سٹاف روم میں 15 کے قریب اساتذہ ہیں۔ سب کو بھوک لگی ہوئی ہے۔ اگر گھر میں کوئی کھانے کی چیز ہو تو بھجوا دیں۔ والدہ نے مددگار کو کہا کہ تم چند منٹ انتظار کرو۔ میں کچھ انتظام کرتی ہوں۔ اتفاق سے اُس دن کوفتے پکائے ہوئے تھے۔ صرف روٹیاں پکانی باقی تھیں۔ ہمارے گھر ایک کام کرنے والی آتی تھی۔ اُس کو ایک چولہے پر توا رکھ دیا اور دوسرے چولہے پر خود روٹیاں پکانی شروع کریں۔ آدھے گھنٹے کے بعد مددگار کارکن سر پر کھانا رکھ کر پہنچ گیا۔ سب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ کوفتے سب کو مزے دار لگے۔ سب احباب نے میرا شکریہ ادا کیا۔ ہمارے بزرگ پروفیسر شریف خالد صاحب مرحوم کہنے لگے کہ شکریہ کی اصل مستحق تو اس کی والدہ ہے جس نے یہ ثواب کمایا ہے۔ جب بھی ربوہ جاتا تو شریف خالد صاحب اُن کوفتوں کا ضرور ذکر کرتے جو انہوں نے کھائے تھے۔

میری والدہ کا اپنے بچوں سے سلوک

ہر ماں اپنے بچوں سے بہت محبت کرتی ہے۔ میری والدہ میں بھی یہ خوبی موجود تھی۔ اپنے بچوں اور پوتوں، پوتیوں، اور نواسے اور نواسیوں سے بہت محبت کرتی تھیں۔ اور تمام بچے بھی آپ کو دِل و جان سے چاہتے تھے۔ بڑے اہتمام سے آپ کے لئے تحفے لاتے تھے۔ اور جو بھی اُن کو تحفہ دیتا اُس کو وہ اُن کی دلجوئی کی خاطر استعمال کرتیں۔ اور اُن کو یاد ہوتا کہ کون سا تحفہ کون اُن کے لئے لایا تھا۔ مثلاً اُن کی پوتی سیماب جمیل اُن کے لئے گھڑی کا تحفہ لائی۔ اور آپ وہ گھڑی ہمیشہ اپنی کلائی پر باندھ کر رکھتیں۔ اسی طرح آپ کے پوتے ظفر ناصر نے اپنی پہلی تنخواہ ملنے پر سونے کی چین تحفہ میں دی۔ وہ چین ہمیشہ گلے میں پہنے رکھتیں اور جب بھی کبھی تذکرہ ہوتا تو اس کو ذکر

کر کے دعائیں دیتیں۔ وفات کے بعد وہ گھڑی اور چین اتار لئے گئے۔ سب بچوں کا البم اپنے پاس رکھتیں۔ گاہے بگاہے اُنکو دیکھتیں اور خوش ہوتیں۔

والدہ کی اپنے بچوں کے ساتھ محبت کا یہ بھی انداز تھا کہ وہ اپنے بچوں کے اپنے ہاتھ سے سویٹر بُن کر دیتں۔ بچیوں کے علاوہ آپ کے 56 پوتے پوتیاں، نواسے نواسیوں، پڑنواسے پڑنواسیوں سب کے لیے سویٹر بن کر اُن کو تحفے دیے۔ سب کے پاس اُن کا تبرک موجود ہے۔

آپ کو سادہ زندگی بہت پسند تھی۔ اور بغیر تکلف سے اپنی زندگی گزاتی تھیں۔ دوسری طرف بچوں کو یہ اصرار تھا کہ کوئی نہ کوئی زیور آپ کو خرید کر دیں۔ لیکن آپ اُنہیں منع کر دیتیں۔ میرے مرحوم بھائی ڈاکٹر بشارت جمیل کو بہت شوق تھا کہ وہ اُن کو سونے کے کنگن پہنائے۔ لیکن ساتھ اُس کو یہ بھی علم تھا کہ والدہ کبھی نہیں مانیں گی۔ لہٰذا اُس نے ربوہ میں سنار کو کہا کہ میں امریکہ واپس جارہا ہوں اور میری یہ دلی خواہش ہے کہ میں اپنی والدہ کو کنگن پہناؤں۔ لہٰذا تم میرے جانے کے بعد اماں جی کی کلائی کا ناپ یہ کہہ کر لے لینا کہ میرا کوئی گاہک ہے جس کا ناپ میرے پاس موجود نہیں اُس کا ناپ آپ کی کلائی کے برابر ہے۔ لہٰذا وہ جا کر میری والدہ کی کلائی کا ناپ لے گیا۔ اور پھر کچھ دنوں کے بعد وہ کنگن اماں جی کو پہنائے اور کہا کہ یہ کنگن آپ کے بیٹے نے آپ کے لیے بنوائے ہیں لہٰذا آپ ان کو پہن لیں۔ لہٰذا وہ کنگن آپ نے اپنے بیٹے کی محبت اور خوشی کی خاطر ہمیشہ پہن کر رکھے اور تحدیث نعمت کے طور پر اس کا ذکر کرتی رہتیں کہ بشارت نے مجھے کس بہانے پہنائے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد وہ کنگن آپ کے ہاتھ سے اُتارے گئے۔ اپنے مرحوم بیٹے کی یاد کو تادم حیات قائم رکھا۔

خدا تعالیٰ نے آپ کو 56 پوتے، پوتیوں، نواسے، نواسیوں، پڑپوتے، پڑپوتیوں، پڑنواسوں اور پڑنواسیوں کی بہاریں دکھائیں۔ اور وقت رُخصت سب آپ کے پاس موجود تھے اور سب آپ کو مل کر گئے۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ نے بھرپور اور پُروقار زندگی گزاری اور اپنی زندگی کو اک مثال بنا کر رُخصت ہوئیں۔

آپ کی زندگی کے آخری چند سالوں میں سب بچے آپ کو ہیوسٹن جا کر مِل کر آتے۔ خدا تعالیٰ نے میرے عزیز بھائی عبد السلام جمیل اور اُس کی اہلیہ بشریٰ جمیل کو خدمت کرنے کا موقع عطا فرمایا۔ جنہوں نے خدمت کی ایک مثال قائم کی۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔

خدا تعالیٰ نے میری والدہ کو لمبی عمر عطا فرمائی اور ساری زندگی فعال عطا فرمائی جو قابلِ رشک تھی۔ پھر وہ لمحہ بھی آن پہنچا جس کو خدائی تقدیر کہا جاتا ہے۔ جس کے سامنے ہر کوئی مجبور ہے۔ سوائے میرے خدا میری والدہ کی جدائی تیری تقدیر تھی۔ جس کو بانشرح قبول کیا۔ اُن کا جسم خاکی تو ہم میں نہیں رہا۔ لیکن میرے مولا اُن کی برکات اور اُن کی دعائیں ہم میں ہمیشہ رہنے دیجیو۔ ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم وہ کام کریں جس سے تو راضی ہو اور ہمارے والدین کی روح کی تسکین کا موجب ہوں۔

اے میرے دِل و جان سے پیاری ماں جس نے اپنے قول و فعل سے اپنے خدا کو راضی کیا اور پنی شفقت و محبت سے نہ صرف اپنے بچوں کے لئے بلکہ غیروں کے لئے بھی وقف رکھا تجھے کبھی بھی نہیں بھولیں گے۔ اور تیری یادوں کے پھول جو اُن کے دِلوں میں کھِلے ہیں کبھی بھی مُرجھانے نہ پائیں گے۔ اور وہ شفقتیں اور محبتیں جو ہمارے دلوں میں نقش ہو چکی ہیں کبھی مٹنے نہ پائیں گی۔

تمہاری نیکیاں قائم

تمہاری خوبیاں باقی

اور رضوانِ یار ایسے بندوں کو یہ کہتے ہوئے استقبال کرتا ہے کہ:

يَاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ

ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً

فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ

وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ

رسالہ "اسماعیل" کے آغاز پر

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی پیغام
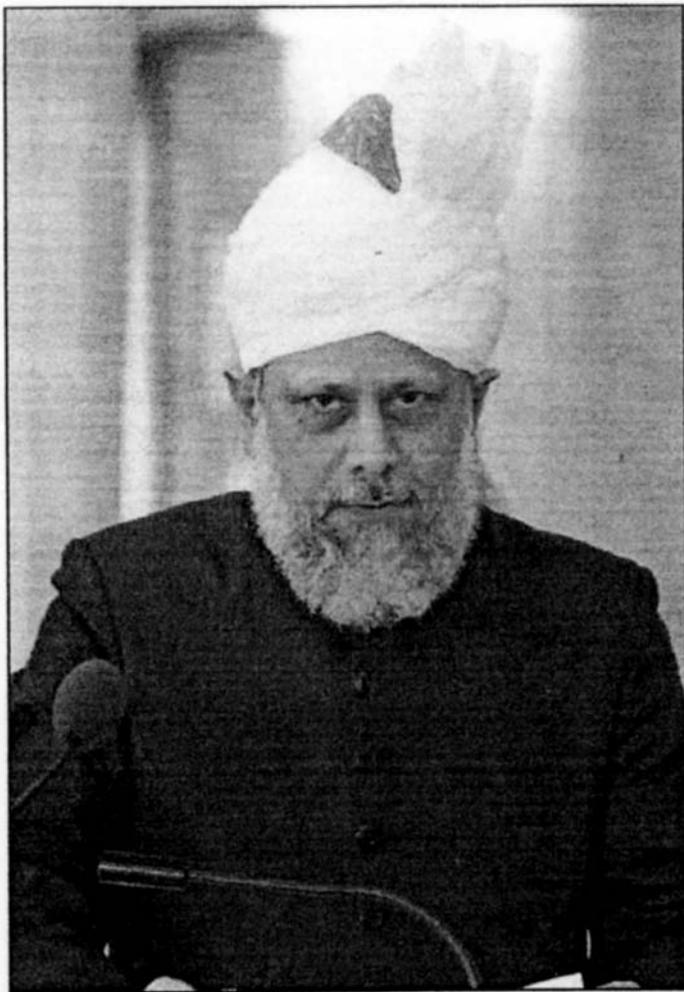
پیارے واقفین نو

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ کہ آپ کا پہلا رسالہ حسن اتفاق سے اس وقت سامنے آرہا ہے جب اس تحریک کے 25 سال بھی پورے ہورہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو ہر لحاظ سے بابرکت کرے۔ اس کا نام ''اسماعیل'' رکھا گیا ہے جو ان قربانیوں کی یاد دلاتا ہے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے دیں اور ایک وادی غیر ذی زرع میں اپنی زندگی گزاری اور دین کے لئے قربانی کے اعلیٰ معیار قائم کئے۔ اسی طرح ہر واقفِ نو سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے وقف نو کے عہد کو جو ان کے ماں باپ نے ان کی پیدائش سے بھی پہلے کیا اور جس کی تجدید انہوں نے خود کی، اس کو اُس اعلیٰ معیار کے ساتھ نبھانے کی کوشش کریں گے جس کی مثال حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ہمارے سامنے رکھی اور اُن کی قربانیوں کو قبول کرتے ہوئے اُن کی نسل سے اللہ تعالیٰ نے اس انسان کامل کو پیدا کیا جس نے عظیم روحانی انقلاب پیدا کیا اور جنگل کے رہنے والے بدوؤں کو تعلیم یافتہ انسان بنایا اور پھر باخدا اور خدانما انسان بنادیا اور پھر انہوں نے بھی دین کی خاطر وہ قربانیاں دیں کہ جو اسلام کی تاریخ میں ہمیشہ سنہری حروف سے لکھی جانے والی ہیں۔ وہ ایک باقاعدہ نظام میں شامل نہ ہونے کے باوجود ہر وقت اپنی زندگیاں دین کے لئے وقف رکھتے اور ہر قربانی کے لئے ہمہ وقت مستعد رہتے۔

ہر وقف نو جو عملاً وقف کے ایک باقاعدہ نظام میں شامل ہوتا ہے کہ نہیں یعنی جماعت کے مستقل کارکن کی حیثیت سے کام کرتا ہے یا نہیں وہ وقف زندگی بہرحال ہے اور اس کا ہر قول و فعل وقف زندگی کے اعلیٰ معیاروں کے مطابق ہونا چاہئے جس میں سب سے بڑی

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کا عکس

چیز تقویٰ ہے۔ اسے ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھیں کہ ہم نے تقویٰ پر قائم رہنا ہے اور ہر کام اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کرنا ہے۔ اپنی نمازوں کی بھی حفاظت کرنی ہے اور قرآنی تعلیم پر غور و تدبر کر کے اس کو اپنی زندگیوں پر لاگو کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق کو ہماری اصلاح کے لئے مسیح موعود اور مہدی معہود بنا کر بھیجا ہے اور جن کی بیعت میں آ کر ہم نے یہ عہد کیا ہے کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے لیکن یہ ہم اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ ہم اپنی زندگی کے ہر قول اور فعل کو قرآنی تعلیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے تابع گزارنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اگر ہماری زندگیاں قرآن وسنت کے مطابق اور ان کی جو تشریح اس زمانے کے امام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کی ہے اس کے مطابق گزریں تو تبھی ہم اپنے وقف کے عہد کو حقیقی طور پر نبھا سکتے ہیں۔ خاص طور پر اس معاشرے میں جہاں آزادی کا دور دورہ ہے اور آزادی کے نام پر اخلاقی بے راہ روی ہر جگہ عام نظر آتی ہے۔ اس میں ہم نے اپنے آپ کو ہر لحاظ سے سنبھال کر رکھنا ہے اور ایک نمونہ قائم کرنا ہے تا کہ دوسرے نوجوان بھی اور بچے بھی ہمیں دیکھ کر ہم سے نمونہ حاصل کریں۔ اور اس طرح ہم ہر احمدی بچے اور جوان کے لئے ایک نیک نمونہ بنتے ہوئے ان کی اصلاح کا موجب بننے والے ہوں۔ پس اس بات کو ہمیشہ یاد رکھیں کہ ہم نے اپنی زندگیاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیمات اور ارشادات کی روشنی میں حقیقی اسلامی نمونہ کے مطابق گزارنی ہیں اور یہ تبھی ممکن ہوگا جب آپ ہمیشہ خلافت سے وفا کا تعلق رکھیں گے اور خلیفہ وقت کی ہر نصیحت پر بھرپور عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور ہر بات کا مخاطب سب سے پہلے اپنے آپ کو سمجھیں گے۔ اگر آپ یہ کر لیں تو آپ اس عہد کو نبھانے والے بنیں گے جو آپ نے بحیثیت وقف نو خدا تعالیٰ سے کیا یا آپ کے والدین نے آپ کی پیدائش سے بھی قبل آپ کو وقف کر کے کیا۔ اللہ آپ کو اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالنّــاصر

لندن

22-1-12

میری عزیز واقفاتِ نو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرے لئے یہ امر باعث مسرت ہے کہ یہاں لندن سے وقف نو بچیوں کے لئے ایک مرکزی رسالہ شروع کیا جارہا ہے۔ اللہ مبارک کرے اور آپ سب کو اس میں لکھنے کی بھی اور اس سے بھرپور استفادہ کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔

اس رسالے کو اس پہلو سے ایک تاریخی حیثیت بھی حاصل ہے کہ یہ پہلا رسالہ ہے جو مرکزی سطح پر وقف نو بچیوں کے لئے جاری کیا جارہا ہے۔ وقف نو بچیوں کو وقف کی یہ تاریخ کبھی نہیں بھولنی چاہیے کہ دنیا میں سب سے پہلے اپنے بچے کو اس کی پیدائش سے قبل وقف کرنے والی ایک عورت ہی تھی اور جس کو اس نے جنم دیا یعنی سب سے پہلی ''واقفہ نو'' وہ بھی ایک عورت ہی تھی جس کا نام مریم تھا۔ اسکو وقف کرنے والے والدین نے اس کی ایسی اعلیٰ درجہ کی تربیت کی اور اس بچی نے بھی اپنے اس مقام کو سمجھتے ہوئے وقف کے تقاضوں کو ایسا نبھایا کہ عرش کے خدا نے رہتی دنیا تک کے لئے قرآن کریم جیسی کتاب میں عفت و عصمت کی اس دیوی اور تقویٰ وطہارت سے زندگی بسر کرنے والی اس عورت کی زندگی کو نیکی اور تقویٰ کا اعلیٰ مقام پانے کے لئے ایک مثال کے طور پر محفوظ کردیا۔ اس دور میں اسی سنت کے تابع آپ کے والدین نے بھی آپ کو آپ کی پیدائش سے پہلے وقف کیا ہے اور آپ نے بڑے ہو کر خود ان کے اس عہد کی بڑے اخلاص اور وفا سے تجدید کی ہے۔ آپ کے وقف کا یہ مقام اور اعزاز کوئی معمولی بات نہیں ہے لیکن وقف کا یہ اعزاز تبھی آپ کے ماتھوں کا جھومر بن سکتا ہے کہ جب آپ وقف کے تقاضوں کو نبھاتے ہوئے اپنی

زندگیاں خلافت کی تابعدار بن کر گزارنی شروع کریں گی۔ اس لئے ہمیشہ یہ بات یاد رکھیں اور دنیا کے تمام مذاہب اور تمام تہذیبوں کی تاریخ پڑھ جائیں تو آپ جان لیں گی کہ جو عظمت اور مقام اسلام نے عورت کو دیا ہے وہ کبھی کسی اور مذہب نے اُسے نہیں دیا۔

ایک عورت کا حقیقی تابعدار ہونا اور کامل مسلمان ہونا اس کے لئے پہلے بھی فخر کا باعث تھا اور اب بھی ہے۔ اسلام کے پہلے دور میں عورت نے علم و عمل کے ہر میدان میں قابل قدر اور قابلِ رشک کارنامے سرانجام دئے۔ جنگ کے میدان ہوں یا عبادت و ریاضت کے، کاشتکاری کا میدان ہو یا درس و تدریس کا، تجارت ہو یا طب و جراحت، کوئی بھی ایسا علمی و عملی میدان نہیں جس میں عورتیں مردوں سے پیچھے رہی ہوں۔ تمام تر اسلامی تعلیمات کے زیور سے آراستہ و پیراستہ ہوتے ہوئے پردے کی رعایت کے ساتھ ہزاروں مردوں کے مجمعوں سے خطابات بھی ان مسلم عورتوں نے کئے اور درس بھی دئے۔ پھر جب انہوں نے امانت و تقویٰ اور زہد و ریاضت کے میدان میں قدم رکھا تو صالحیت اور ولایت میں بھی نام پیدا کئے۔ اور علم و عمل کا یہ جھنڈا صرف اسلام کے دور اول میں ہی نہیں اسلام کے اس دور ثانی میں بھی احمدیت یعنی حقیقی اسلام میں احمدی عورتوں نے ہی بلند کر رکھا ہے۔ اور اب آپ جو واقفات نو بچیاں ہیں، آپ نے بھی یہ جھنڈا علم و عمل کے ہر میدان میں اونچے سے اونچا لہرانا ہے۔ آپ نے یورپ کی مصنوعی آزادیوں اور آسائشوں کی طرف اپنے قلب و نظر کو مائل نہیں ہونے دینا کیونکہ ان کے پیچھے ایسے ہولناک اور روح فرسا مناظر ہیں کہ جو جسموں کے ساتھ ساتھ روحوں کو بھی ایک ایسی قید میں جکڑ لیتے ہیں جن سے پھر انسانیت پاتال کی اتھاہ گہرائیوں میں دفن ہو جاتی ہے حتیٰ کہ پھر نہ دنیا باقی رہتی ہے اور نہ دین۔ پس دنیا کی نت نئی ایجادات اور ان کی Attraction میں آپ نے کبھی نہیں پڑنا بلکہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے تجدید دین کے کاموں کو پھیلانے اور دین کی خدمت کے لئے ہمیشہ مستعد رہنا ہے۔ اس کے لئے آپ کی نظریں ہمیشہ آسمانوں کی طرف رہیں اور آپ کے ذہنوں اور علم و عمل کی پروازیں بھی آسمانوں کی رفعتوں کو چھونے کے عزائم لئے ہوئے ہوں۔ اور اگر آپ نے یہ بلندیاں واقعی حاصل کرنی ہیں تو اس زمانے کے امام اور اسلام کی خوبصورت تعلیمات کے نور سے دنیا کو منور کرنے والے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں۔ خلیفہ وقت کی ہدایات اور نصائح کو اپنے لئے مشعل راہ بنالیں کہ آج

یہی تعلیمات آبِ حیات کا حکم رکھتی ہیں جو بالآخر انسان کو ہمیشہ کی زندگی کا وارث بنا دیتی ہیں۔ یہی وہ زندگی بخش باتیں ہیں جو مردہ دلوں کو حیات جاودانی عطا کرتی ہیں اور زمین سے اٹھا کر آسمانوں کی رفعتوں تک پہنچا دیتی ہیں جہاں فرشتے بھی ان سے ہمکلام ہونے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ پس آپ کو ہمیشہ اس بات کا فہم و ادراک ہونا چاہیے کہ یہ آب حیات سوائے احمدیت یعنی حقیقی اسلام کے کہیں اور سے کبھی آپ کو میسر نہیں آسکتا۔ اگر آپ نے یہ نکتہ سمجھ لیا اور اس کے مطابق عمل کیا نیز بحیثیت واقفات نو اپنی زندگیوں کے مقصد کو پانے کی کوشش کی اور اس کی روشنی میں اپنی زندگیاں گزاریں تو یقیناً دنیا و آخرت کی فلاح و نجات آپ کا مقدر ہوگی۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں: ”میں سچ سچ کہتا ہوں کہ مسیح کے ہاتھ سے زندہ ہونے والے مر گئے۔ مگر جو شخص میرے ہاتھ سے جام پیئے گا جو مجھے دیا گیا ہے وہ ہرگز نہیں مرے گا۔ وہ زندگی بخش باتیں جو میں کہتا ہوں اور وہ حکمت جو میرے منہ سے نکلتی ہے اگر کوئی اور بھی اس کی مانند کہہ سکتا ہے تو سمجھو کہ میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے نہیں آیا۔ لیکن اگر یہ حکمت اور معرفت جو مردہ دلوں کے لئے آب حیات کا حکم رکھتی ہے دوسری جگہ سے نہیں مل سکتی تو تمہارے پاس اس جرم کا کوئی عذر نہیں کہ تم نے اس کے سرچشمہ سے انکار کیا جو آسمان پر کھولا گیا۔“ [ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 ص 104]

آپ مزید فرماتے ہیں:

”جو شخص چاہے کہ ہم اس سے پیار کریں اور ہماری دعائیں نیازمندی اور سوز سے اس کے حق میں آسمان پر جائیں۔ وہ ہمیں اس بات کا یقین دلا دے کہ وہ خادم دین ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔“

[ملفوظات جلد اول ص 311]

اللہ تعالیٰ آپ سب کو اس کی توفیق دے اور ہمیشہ دل و جان سے فدا ہوتے ہوئے دین کی خدمت پر کمربستہ رہنے کی توفیق دے۔ آمین

والسلام

خاکسار

مرزا مسرور احمد

خلیفة المسیح الخامس